کلیات اختر مسلمی

مرتب
فہیم احمد

اختر مسلمی میری نظر میں

ادب و شاعری میں بنیادی اور اہم چیز اس کا شعور ہے۔ جدّت اور انفرادیت نیز تازگی وغیرہ کی تمام کونپلیں روایت کے گہرے اور تازہ کار شعور کے پیڑ پر پھوٹتی ہیں۔ وہ فن کار، نقاد یا قاری، جو اس نکتے کو نظر انداز کرتے ہیں میری نگاہ میں ادب اور شاعری کے اہم اور بنیادی تقاضے سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ یہاں یہ لکھنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ شاعری میں ''روایت پرستی'' بری چیز ہے، مگر روایت کا گہرا شعور ایک اچھی چیز ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اختر مسلمی کے یہاں روایت کا گہرا شعور نظر آتا ہے، جس کی مدد سے شاعر نے روایت کی توسیع کا کام کیا ہے۔ یہ توسیع شاعر نے اظہار اور اس کے تمام وسیلوں نیز مواد اور اس کے سارے پہلوؤں کی وساطت سے کی ہے۔ انھوں نے شعری روایات کے شعور میں اپنی ذات کے تخلیقی تجربوں کو آمیز کرکے، ایک نیا اور روح پرور شعری منظر نامہ تشکیل دیا ہے۔ شاعر نے اپنے رنگ افشاں جذبات، مجروح تمناؤں اور خون آلودہ خوابوں کو مہذّب شعری زباں اور محتاط اندازِ بیان میں ادا کیا ہے۔

یہ احتیاط، توازن اور اعتدال ان کی شاعری میں مذہبی حسّیت خاص طور پر تصورِ توحید و رسالت اور تہذیب و سماج کی راہ سے آیا ہے۔ انھوں نے یہ خصوصیات حمد و نعت کے ساتھ اپنی غزلوں میں بھی روا رکھی ہیں۔ شاعر نے تغزّل کے میدان میں، خاص طور پر حُسن وعشق کی کیفیات کے بیان میں بھی رومانی وفور اور اس کی اظہاری بے پردگی پر غم زدگی اور سپردگی کو ترجیح دی ہے۔ ان کی غزلوں کے چہرے پر اخلاقی اقدار کا نور اور ان کی شاعری کی آنکھوں میں تہذیبی اور سماجی افکار کا سرور ہے۔ انھوں نے اپنے تجربوں کے جمالیاتی مواد کو شاعری کی مہذّب زبان میں ایک خاص ادائے احتیاط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ میں جناب دانش فراہی کا ممنون ہوں کہ ان کی وساطت سے اختر مسلمی صاحب کا کلام پڑھنے کو ملا۔ میں دل کی گہرائی سے شاعر کے نئے مگر پرانے شعری مجموعہ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

پروفیسر عنوان چشتی

صدر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۱۷ر نومبر ۱۹۹۵ء

کلیات اختر مسلمی

طبع دوم

مرتب

فہیم احمد

کتاب کا نام : کلیات اختر مسلمی
مصنف : اختر مسلمی
مرتب : فہیم احمد
طبع اول : ۲۰۱۳
طبع دوم : ۲۰۱۷
قیمت : ۳۰۰ روپے
کمپوزنگ : ندیم ریاض فراہی
ناشر : دانش فراہی، رام لیلا میدان، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

Al-Balagh Publications
ISBN: 978-93-833135-3-2

ملنے کے پتے

- فضل الرحمٰن مسلمی، جامع مسجد جدید، سرائے میر اعظم گڈھ، یوپی
- البدر بک سینٹر، سرائے میر اعظم گڈھ، یوپی
- صغیر بک ڈپو، سرائے میر اعظم گڈھ، یوپی

Name of the Book : Kulliyat-e-Akhtar Muslimi (2nd Edition)
Poet : Akhtar Muslimi
Compiled by : Faheem Ahmad
Address : A213/1, 3rd Floor
Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi-110025, India

کلیاتِ اختر مسلمی

صاحب زادہ اخترؔ مسلمی ''فضل الرحمٰن'' کی خواہش پر

صاحبِ کلیات کے نواسوں

فہیم احمد

ڈاکٹر وسیم فراہی

ندیم ریاض فراہی

کی کاوشوں سے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں

ریاض احمد دانشؔ فراہی

فہرست

موجِ صبا ۱۰۱–۱۹۹

جام و سنداں

عرض ناشر

ہماری ادبی اور تہذیبی تاریخ کا ایک پس منظر ہے جس میں فرد واجتماعیت کے حوالے سے نہ صرف بہت کچھ سوچا اور کہا گیا ہے بلکہ اس پر بعض ادوار میں اس انداز سے عمل کیا گیا ہے کہ وہ آج بھی ہمارے لیے سرمایۂ افتخار بنا ہوا ہے۔ کلیاتِ اخترؔ مسلمی کی اشاعت کا مقصد نہ صرف صحت مند ادبی روایات کے تسلسل کو برقرار رکھنا ہے بلکہ ایک ایسے ادیب و شاعر کو قارئین سے روشناس کرانا ہے جس نے مرکز سے دور رہ کر بھی اردو کی بے لوث خدمت کی۔

آج کی دنیا ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جہاں عمومی طور پر اقدارِ حیات کا تصور مٹتا جارہا ہے یا اسے پامال کیا جارہا ہے اور نئی اقدار کا تصور اس کی جگہ رائج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس وقت دنیا کے سامنے ایک اہم سوال کی صورت موجود ہے اور ہمارا عام مشاہدہ بھی یہی بتاتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ ادارے اور معاشرتی ماحول معدوم ہوتا جارہا ہے جس کی اندرونی ساخت میں فرد کی تربیت اور اقدارِ حیات کا احترام ایک ناگزیر عنصر کی حیثیت سے نسل در نسل منتقل ہو رہا تھا۔ اب اگر شاعری کی افادیت ومقصدیت کی روایتی بحثوں میں پڑے بغیر یہ دیکھا جائے کہ اس کے ذریعہ ہم عام افراد کے لیے کیا کر سکتے ہیں تو اس بحرانی ماحول میں وہی شاعری کا ایک سچا مصرف ہوگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ادبی حلقوں میں کلیاتِ اخترؔ مسلمی کو پذیرائی حاصل ہوگی اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

دانش فراہی
پھریہا، اعظم گڑھ

حرف مرتب

کلیات اختر مسلمی کے پہلے ایڈیشن کو علمی حلقوں کی طرف سے جو مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی اس سے حوصلہ پا کر میں نے اس کے دوسرے ایڈیشن کو از سر نو ترتیب دینے کا عزم کیا۔ پہلی اشاعت کے بعد قارئین حضرات کی طرف سے کچھ گراں قدر مشورے اور تجاویز بھی موصول ہوئی تھیں۔ ان تجاویز پر عمل در آمد اور تخفیف و اضافے کے ساتھ اس ایڈیشن کو حتی الامکان بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے ایڈیشن میں شاعر کے فن و شخصیت پر متعدد تاثرات اور تذکرے شامل کیے گئے تھے۔ مزید کچھ تاثرات غیر طبع ہیں۔ تجویز یہ آئی تھی کہ کلیات میں تاثرات شامل نہ کیے جائیں، لہذا اس ایڈیشن سے تاثرات اور تذکرے الگ کر دیے گئے ہیں اور مستقبل میں انہیں یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

طبع دوم میں نظموں اور غزلوں کے پہلے مصرعے فہرست میں ترتیب وار پیش کیے گئے ہیں تا کہ کسی مخصوص غزل کی تلاش میں قاری کو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

شعر و ادب کی افادیت و معنویت اس کی آفاقیت میں ہے۔ سماج و تہذیب ارتقائی عمل سے عبارت ہیں، کہ اسی میں انھیں زندگی و دوام حاصل ہے۔ شاعر بھی اسی سماج کا حصہ ہوتا ہے، اور اچھا شاعر وہی ہے جو بدلتے ہوئے سماج پر گہری نظر رکھتا ہو، اس کا باریک بینی سے جائزہ لیتا ہو اور وہ جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو اپنے احساسات و جذبات کے آئینے پر شفاف تصویر کی طرح پیش کر دیتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ

ایک اچھا شاعر وادیب بیک وقت بہترین نقاد، ماہر سماجیات، ماہر سیاسیات، مورخ اور فلسفی سبھی کچھ ہوتا ہے۔

آج انسان جن حالات سے گذر رہا ہے وہ بہت ہی کربناک ، المناک اور دردناک ہے۔ پوری انسانیت ایک پُر تشدد، وحشت ناک اور فرقہ واریت کے نا پیدا کنار سمندر میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ فضائیں انسانی عظمتوں کی بکھرتی ہوئی دھجیوں سے اٹی ہیں۔ اب ایسے ماحول میں اخترؔ مسلمی کے کلام اور صدائے دل درمند کو (جو انسانی دوستی کا ایک مرقع ہے) زیورطبع سے آراستہ کرنے کے لیے راقم نے یہ سوچ کر قدم اٹھایا ہے کہ شاید آپ کی شاعری اس ماحول کی کثافت کو دور کر سکے۔

اخترؔ مسلمی کی شاعری کا راز ان کے سماجی شعور، مستقبل شناسی اور ارتقائی رجحان میں مضمر ہے۔ انہوں نے جس خوش اسلوبی سے اپنے اشعار کا انتخاب کیا وہ ہم جیسے لوگوں کے احساسات وجذبات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔

اخترؔ مسلمی کا پہلا شعری مجموعہ ''موج نسیم'' اور دوسرا ''موج صبا'' ہے۔ دونوں مجموعے شائع ہو چکے ہیں جب کہ تیسرا شعری مجموعہ ''جام وسنداں'' کلیات اخترؔ مسلمی کے حصے کے طور پر آپ کے سامنے ہے۔ تینوں مجموعوں میں شاعر کے رجحانات کی ارتقائی شکل بخوبی نظر آتی ہے۔ انھوں نے نہ صرف صنفی تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے بلکہ موضوعات کے انتخاب میں بھی گہری فہم وفراست کا ثبوت دیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اخترؔ مسلمی ایسے کہنہ مشق شاعر ہیں جو صحت مند روایات کی بنیاد پر جدید خیالات کی عمارت تعمیر کرتے ہیں، اور یہی چیز ان کی شاعری کی اہمیت وافادیت کو ہمیشہ برقرار رکھے گی۔

ہم ان تمام ادباء اور اسکالرز کے بے حد ممنون ہیں جنھوں نے اپنے تاثرات

کے ذریعہ اخترؔ مسلمی کے فن اور ان کی شخصیت کو سمجھنا آسان بنادیا۔ ناسپاسی ہوگی، اگر ہم ڈاکٹر ناطق اعظمی، اشتیاق اعظمی اور مولانا انیس احمد اصلاحی کا ذکر نہ کریں جنھوں نے کلیات کو مرتب کرنے میں دشواریوں کو آسانیوں میں بدل دیا۔

میں اپنے والدِ محترم دانش فراہی اور والدہ محترمہ (بنت اخترؔ مسلمی) کی شفقتوں اور محبتوں کا شکریہ الفاظ میں نہیں ادا کرسکتا جنھوں نے کلیات کی ترتیب میں قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔

قارئین عظام! کسی معتبر کتاب کی اشاعت و طباعت کے سلسلے میں حسنِ ترتیب، تصدیق اور صحتِ کلام کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ایک انسان کی طاقت اور استطاعت جس قدر کوشش کا تقاضہ کرتی ہے اس میں ہم نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ پھر بھی فروگزاشت فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے۔ اس لئے ہم نہایت ادب کے ساتھ اصحابِ علم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہماری کسی بھی خطا یا کوتاہی کی نشاندہی کرکے شعر و ادب اور اخترؔ مسلمی مرحوم کے حق سے سبکدوش ہوں۔

ہم آخر میں قارئین کرام سے مرحوم کے حق میں بارگاہ ایزدی میں دست آوری کی درخواست کرتے ہیں کہ خداوند قدوس ان کی لحد پر لطف و رحمت کی بارش برسائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

امید ہے کہ ہماری یہ گذارش صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی۔

ع شبانہ روز ہو تربت پر اس کی لطف ربانی

فہیم احمد
نئی دہلی

موجِ نسیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ

☆

کروں وصف کیا میں بیاں ترا تری شان جلّ جلالہٗ
تری ذات لائقِ ہر ثنا تری شان جلّ جلالہٗ

تری کارسازی سے آشنا نہ ہوئے پیمبر و اولیاء
ترا بھید کوئی نہ پا سکا تری شان جلّ جلالہٗ

جو مریضِ غم کی کرے دوا دلِ درد مند کو دے شفا
نہیں اور کوئی ترے سوا تری شان جلّ جلالہٗ

تو سکونِ دل تو قرارِ جاں تو معین و حامی بے کساں
تو ہی بے سہاروں کا آسرا تری شان جلّ جلالہٗ

تو رحیم ہے تو کریم ہے تو علیم ہے تو حکیم ہے
مرے دل کو کر دے سکوں عطا تری شان جلّ جلالہٗ

میں گناہ گار ہوں سر بسر مرے حالِ زار پہ رحم کر
تری رحمتوں کا ہے آسرا تری شان جلّ جلالہٗ

وہ رسولِ خاتمِ انبیاء شہِ دیں محمد مصطفےٰؐ
ہمیں ایسا راہ نما دیا تری شان جلّ جلالہٗ

ترا بندہ اخترؔ مسلمی ترے در پہ سر بسجود ہے
ہے لبوں پہ اس کے تری ثنا تری شان جلّ جلالہٗ

☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناجات

☆

الٰہی میں ہوں بدکار و گنہہ گار!
ہے تیرا نام ستّار اور غفّار

نہ کی میں نے ترِی طاعت گذاری
گناہوں میں بسر کی عمر ساری

سراپا زندگی میری خطا ہے
تری رحمت کا لیکن آسرا ہے

عنایت کی نظر اک بار کردے
تو میرا دامنِ اُمّید بھر دے

سکونِ قلب کا سامان کردے
تو میری مشکلیں آسان کردے

ترے محبوب کا دیدار ہوجائے
زیارت خواب میں اک بار ہوجائے

سہارا نزع کے عالم میں دیجو!
الٰہی خاتمہ بالخیر کیجو!

☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعت

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

☆

تخلیقِ دو عالم ہے بہ فیضانِ محمدؐ
دنیا کی ہر اک شے پہ ہے احسانِ محمدؐ

یہ رتبۂ عالی ہے یہ ہے شانِ محمدؐ
خود خالقِ عالم ہے ثنا خوانِ محمدؐ

بخشا ہے لقب آپ کو رحمت کا خدا نے
ہر اک کے لیے عام ہے فیضانِ محمدؐ

توحید کی دولت سے بھرا دامنِ انساں
کیا کم ہے زمانے پہ یہ احسانِ محمدؐ

پہچان لے اللہ کو ممکن ہی نہیں ہے
حاصل نہ ہوا ہو جسے عرفانِ محمدؐ

کیوں لرزہ براندام نہ ہو سطوتِ شاہی
شاہوں سے بھی بڑھ کر ہیں غلامانِ محمدؐ

آ دیکھوں ترا زور بھی اے مہرِ قیامت
ہے سر پہ مرے سایۂ دامانِ محمدؐ

اخترؔ مجھے دیکھیں گے تو بول اٹھیں گے قدسی
آیا وہ سرِ حشر ثنا خوانِ محمدؐ

☆☆

☆

کیوں کرے کوئی بہاروں میں نگہبانی مری
جا نہیں سکتی یہ خوئے چاک دامانی مری

کر لے جتنا ہو سکے تجھ سے ستم اے آسماں
رنگ لائے گی کبھی تو نالہٗ سامانی مِری

وسعتِ دل دیکھیے گر دیکھنا ہے آپ کو!
ظاہری پردہ ہے شانِ تنگ دامانی مری

آستانِ دوست کے سجدوں پہ ہے نازِ عروج
کب کسی کے سامنے جھکتی ہے پیشانی مری

وہ تو اخترؔ آئے تھے بہرِ علاجِ دردِ دل
بڑھ گئی کچھ اور بھی لیکن پریشانی مری

☆☆

☆

کیا بتائیں کتنا لُطفِ زندگی پاتا ہے دل
جب نگاہِ ناز تیری زد پہ آجاتا ہے دل

کون ہے غم خوار اپنا شامِ غم اے بے کسی
دل کو بہلاتا ہوں میں یا مجھ کو بہلاتا ہے دل

آ کے ان کی یاد کچھ تسکین دیتی ہے مجھے
جب شبِ فرقت کی تنہائی میں گھبراتا ہے دل

ہائے وہ منظر نہ پوچھو جب بحُسنِ اتفاق
ملتی ہیں نظروں سے نظریں دل سے مل جاتا ہے دل

کیوں نہ سمجھوں آپ کو میں سو بہاروں کی بہار
سامنے جب آپ آتے ہیں تو کھِل جاتا ہے دل

کوئی جادہ ہے، نہ منزل ہے، نہ کچھ قیدِ مقام
اپنی دُھن میں اک طرف مجھ کو لیے جاتا ہے دل

جانے کیوں اخترؔ مری آنکھوں میں آجاتے ہیں اشک
جب وہ رنگیں داستاں ماضی کی دُہراتا ہے دل

☆☆

☆

اک حشر اضطراب سا قلب و جگر میں ہے
کیا جانے کس بلا کا اثر اُس نظر میں ہے

اس پر بھی اختیار نہیں وائے بے بسی
سمجھے ہوئے تھے ہم کہ دل اپنے اثر میں ہے

جلوے تمام کون و مکاں کے سَما گئے
وسعت کہاں کی میرے دلِ مختصر میں ہے

ہے دیکھنا تو دیدۂ بینا سے دیکھیے
جلوے ہیں کس کے کون یہ شمس و قمر میں ہے

ان کی نگاہِ ناز سے بھی بے نیاز ہے
سمجھے ہوئے تھے ہم کہ دل اُن کے اثر میں ہے

پھر آرہا ہے کوئی تصوّر میں بار بار
اخترؔ کچھ آج اور ہی عالم نظر میں ہے

☆☆

☆

صدقے تری نظروں کے مرا دل بھی جگر بھی
ساقی مرے اک جام عنایت ہو ادھر بھی

اٹھنا تھا کہ بس چور ہوا دل بھی جگر بھی
کیا چیز تھی واللہ وہ مخمورِ نظر بھی

کیا بات ہے کیوں مشقِ تگ و دو ہے مُسلسل
ناکام ہیں کیا میری طرح شمس و قمر بھی

مجھ کو تو نہیں جرمِ محبت سے کچھ انکار
آتا ہے یہ الزام مگر آپ کے سر بھی

تاریک ہے کس درجہ یہ دنیا مری اخترؔ
مجھ کو تو نظر آتی ہے اب شام، سحر بھی

☆☆

☆

کیا کہوں دل مرا کس درجہ غنی ہے اے دوست
دولتِ درد اسے جب سے ملی ہے اے دوست

مجھ سے قسمت بھی مری روٹھ گئی ہے اے دوست
یہ بھی انداز ترے سیکھ رہی ہے اے دوست

مجھ کو منظور نہیں عشق کو رسوا کرنا
ہے جگر چاک مگر لب پہ ہنسی ہے اے دوست

دردِ دل، زخمِ جگر، سوزِ نہاں، اشکِ رواں
تو سلامت ہے تو کس شے کی کمی ہے اے دوست

ہائے اب وہ خلش درد کہاں سے لاؤں
زندگی پھر وہی شے ڈھونڈ رہی ہے اے دوست

چشمِ گریاں بھی بہت جوش میں آئی لیکن!
آگ اس طرح کہیں دل کی بجھی ہے اے دوست

کون سے وقت میں اخترؔ کو سہارا دوگے
اب تو امید بھی دم توڑ رہی ہے اے دوست

☆☆

☆

اے دلِ بے خبر ابھی کیا ہے
جانتا بھی ہے عاشقی کیا ہے

سبب جورِ بے رُخی کیا ہے
کچھ کہو وجہِ برہمی کیا ہے

جانے والا چلا گیا اب تو
نگہِ شوق دیکھتی کیا ہے

یاد مونس ہے غم گُسار ہے دل
شامِ فرقت میں بے کسی کیا ہے

جی رہا ہوں ترے بغیر مگر
اِک مصیبت ہے زندگی کیا ہے

جُز ترے کیا طلب کروں تجھ سے
مجھ کو تیرے سوا کمی کیا ہے

پَر توِ حُسن روئے دوست ہے یہ
ماہ و انجم میں روشنی کیا ہے

دوستی میرے بخت سے ہے تجھے
مجھ سے اے نیند دشمنی کیا ہے

اپنے بس ہی کی جب نہیں اخترؔ
ہائے ایسی بھی زندگی کیا ہے

☆☆

☆

حیات ایک تگ و دو کا نام ہے شاید
سکوت کیا ہے فنا کا پیام ہے شاید

سکون راہِ طلب میں حرام ہے شاید
کہ عشق بے خلش و درد خام ہے شاید

یہ وہ کشش ہے کہ خود کھینچ لے گی منزل کو
ابھی تو ذوقِ طلب ناتمام ہے شاید

تجھے خبر بھی ہے کیا چیز بے قراری ہے
یہی تو زیست کی وجہِ قیام ہے شاید

کرے اسیر کوئی کیا مجال ہے اختر
یہ آدمی تو خود اپنا غلام ہے شاید

☆☆

☆

اے دوست یہ باتیں تم شاید سمجھو نہ مرے سمجھانے سے
انجامِ محبت کا کیا ہے پوچھو یہ کسی پروانے سے

کم بخت یہ دل اُف کام پڑا مجھ کو بھی عجب دیوانے سے
سمجھے نہ کبھی سمجھانے سے بہلے نہ کبھی بہلانے سے

تنہائی میں اکثر دل سے مری اس طرح بھی باتیں ہوتی ہیں
جس طرح کرے باتیں کوئی دیوانہ کسی دیوانے سے

بے عشق تمیزِ حُسن نہیں بے حُسن وجودِ عشق نہیں
پیمانے کی عزت مے سے ہے اور رونق مے پیمانے سے

بربادی مجھے اپنے دل کی بے ساختہ یاد آجاتی ہے
جب بھی کبھی اخترؔ میرا گذر ہوتا ہے کسی ویرانے سے

☆☆

☆

قیامت ہے بہار اب کے برس اپنے گلستاں کی
گلوں میں کیفیت پیدا ہوئی خارِ بیاباں کی

جو باہم عندلیبانِ چمن دست و گریباں ہیں
تو ایسی کشمکش میں فکر ہے کس کو گلستاں کی

رہا اب اور کیا باقی زوالِ آدمیّت میں
کہ طینت ہوگئی ہے، مائل تخریب انساں کی

اگر ہے جذبۂ صادق تو کیا ڈر موجِ طوفاں سے
لگا دے گی کنارے خود ہی کشتی موجِ طوفاں کی

بہاروں میں کرے کوئی ہزار ان کی نگہ بانی
کہاں جاتی ہے دیوانوں سے خو چاکِ گریباں کی

مجھے جب درد ہی میں زندگی کا لُطف ملتا ہے
تو پھر اے چارہ گر مجھ کو ضرورت کیا ہے درماں کی

بڑی مشکل سے اُف کم بخت دل کو چین آیا تھا
معاذ اللہ پھر یاد آگئی کس فتنہ ساماں کی

اندھیری رات میں ہے جُگنوؤں کی روشنی کافی
غریبوں کی لحد پر کیا ضرورت ہے چراغاں کی

اسے اہلِ نظر کہتے ہیں توہینِ جنوں اختؔر
کسے شوریدگی میں فکر ہوتی ہے گریباں کی

☆☆

☆

ہم وہ ہیں جو طلب لذّتِ غم کرتے ہیں
تم سے کب شکوۂ بیداد وستم کرتے ہیں

ہائے کیا ہوگا بتا اے دلِ بیداد پسند
اب ستم بھی وہ بہ اندازِ کرم کرتے ہیں

تم نہیں واقفِ آدابِ صنم اے واعظ
بت کدے میں بھی کہیں ذکرِ حرم کرتے ہیں

ہم وفائیں بھی کریں اور خطاوار رہیں
وہ اگر ظلم بھی ڈھائیں تو کرم کرتے ہیں

اس کو اربابِ نظر کہتے ہیں توہینِ جنوں
سختیٔ غم میں کہیں آنکھ بھی نم کرتے ہیں

اس پہ سو بار کروں عزّتِ کونین نثار
ہائے وہ سر جو ترے پاؤں پہ خم کرتے ہیں

آج تک جس کو ستم کا بھی سلیقہ نہ ہوا
اخترؔ اس سے عبث امیدِ کرم کرتے ہیں

☆☆

☆

ازل سے سر مشق جورِ پیہم خَدنگ آفات کا نشانہ
میں سر سے پا تک ہوں نالۂ غم سناؤں کیا عیش کا ترانہ

سنا تو میں نے بھی ہے کہ دامِ قفس کو ٹوٹے ہوا زمانہ
تمیز لیکن نہ کرسکا میں کہ یہ قفس ہے کہ آشیانہ

عجیب الجھن میں تو نے ڈالا مجھے بھی اے گردشِ زمانہ
سکون ملتا نہیں قفس میں نہ راس آتا ہے آشیانہ

اگر ارادے میں پختگی ہے تو پھیر دوں گا رُخِ زمانہ
جہاں[1] پہ یورش ہے بجلیوں کی وہیں بناؤں گا آشیانہ

مصیبتوں کے گِلے عَبث ہیں فضول ہے شکوۂ زمانہ
جو مجھ سے پوچھو تو میں کہوں گا کہ ہے یہ عبرت کا تازیانہ

اسیرِ زنداں تھے جیسے پہلے وہی ہیں حالات اب بھی لیکن
ہے فرق اتنا کہ ہم سمجھنے لگے قفس ہی کو آشیانہ

نہ مجھ کو پروا خزاں کی ہوتی نہ خوف صیّاد و برق ہوتا
بدل لے اے کاش کوئی اپنے قفس سے میرا یہ آشیانہ

وفا تو میری سرِشت میں ہے وفا پرستی شعار میرا
جفائیں تم اپنی دیکھو پہلے، وفائیں میری پھر آزمانہ

ہے میرا ذوقِ سجود اب بے نیازِ دیر و حرم سے اخترؔ
جبیں جہاں خم کروں گا ہوگا وہیں نمودار آستانہ

☆☆

---

[1] مصرعہ طرح

☆

ہر شب تارِ خزاں صبح بہاراں کردیں
خار بے جاں کو بھی رشک چمنستاں کردیں

کر کے رنگیں در و دیوار لہو سے اپنے
ہم اگر چاہیں تو زنداں کو گلستاں کردیں

عیش میں اپنے نہ ہو جن کو غریبوں کا خیال
ان کے ہر عیش کا شیرازہ پریشاں کردیں

چیخ چیخ اٹھتے ہیں جس درد کی بیتابی سے
دلِ مظلوم کے اس درد کا درماں کردیں

کر کے باطل کے خداؤں کی خدائی نابود
دوستو آؤ علاجِ غمِ دوراں کردیں

ہر طرف بغض و عداوت کی گھٹا چھائی ہے
دہر میں شمعِ محبت کو فروزاں کردیں

ہے اخوّت کا اثر جن کے دلوں سے مفقود
ان درندہ صفت انسانوں کو انساں کردیں

ظلمتِ شب میں بھٹکتا ہے زمانہ اخترؔ
آؤ ہر ذرّے کو خورشید درخشاں کردیں

☆☆

☆

پیدا ابھی مذاقِ گلستاں نہ کر سکے
تبدیلِ ذوقِ خوگرِ زنداں نہ کر سکے

کیوں کر کہیں بہار ہم ایسی بہار کو
شیرازۂ خزاں جو پریشاں نہ کر سکے

مجھ کو اسے بہار ہی کہنے میں عذر ہے
ہر نوکِ خار کو جو گلستاں نہ کر سکے

کیا بات اے بہارِ چمن ہے کہ آج تک
ہم محوِ یادِ راحتِ زنداں نہ کرسکے

ہونے کو جلوہ ریز ہوئے لاکھ آفتاب
شامِ خزاں کو صبحِ بہاراں نہ کرسکے

کیا ہوسکے گا اس سے علاجِ غمِ جہاں
جو آپ اپنے درد کا درماں نہ کرسکے

اخترؔ اس انقلاب کی اڑ جائیں دھجیاں
دشواریٔ عوام جو آساں نہ کرسکے

☆☆

☆

جبیں اپنی کہیں خم ہو نہ جائے
مزاجِ حسن برہم ہو نہ جائے

بجھا تو دی مری شمعِ تمنّا
چراغِ زیست مدھم ہو نہ جائے

سنا تو دوں تمھیں افسانۂ غم
تمھاری آنکھ پُرنم ہو نہ جائے

نہ دیکھو یوں محبت کی نظر سے
یہ امرِت ہی مجھے سم ہو نہ جائے

زمانہ کے تلوّن کو تو سمجھو
مسرّت ہی کہیں غم ہو نہ جائے

ہے تعمیرِ حیات اخترؔ اسی سے
یہ دردِ دل کہیں کم ہو نہ جائے

☆☆

☆

نہاں ہے خوئے صیّادی ہمارے باغبانوں میں
عنادل[۱] باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

بس اک احساس آزادی سے دل ہے مطمئن ورنہ
قفس کا رنگ پیدا ہوگیا ہے آشیانوں میں

خبر کیا تھی بہارِ گلستاں یہ دن بھی آئے گا
ستائے گی قفس کی یاد ہم کو آشیانوں میں

۱؎ مصرعہ طرح

خدا کی شان اس پر آج ہے الزام غدّاری
ابھی کل تک جو تھا رسمِ وفا کے راز دانوں میں

ہمارا نالۂ غم آج انھیں کو ناگوارا ہے
پڑا تھا حلقۂ طاعت ہمارا جن کے کانوں میں

چمن میں ان کو وحشت ہے ہماری ہم نشینی سے
جنھیں کل تک تھا بے حد انس ہم سے قید خانوں میں

کوئی اس کو خزاں سمجھے کہ فصلِ گل کہے اخترؔ
نوا سنجانِ گُلشن نوحہ گر ہیں گلستانوں میں

☆☆

☆

ہجومِ برق و شرار ہی سے یہ گلستاں لالہ زار ہوگا
سنا ہے بادِ خزاں کے ہاتھوں چمن کا دونا نکھار ہوگا

ہمیں خبر کیا تھی ہم نشینو کہ ایسا رنگِ بہار ہوگا
کسی کے قدموں میں پھول ہوں گے کسی کے دامن میں خار ہوگا

اگر سفینے کا ناخدا خود ہی غفلتوں کا شکار ہوگا
تو وہ سفینہ بتاؤ کیوں کر مہیب موجوں سے پار ہوگا

کسے خبر تھی کہ اس چمن میں جو پھول بوئیں گے خار ہوگا
اُلجھ اُلجھ کر انھیں سے دامانِ آبرو تار تار ہوگا

ہٹا دو یہ پردۂ توہُّم بدل دو یہ دورِ مار و کژدم
چمن کو مل کر سجائیں ہم تم تو پھر چمن لالہ زار ہوگا

ہمیں مٹاؤ نہ باغبانو کلامِ اخترؔ کی قدر جانو
نہ ہوں گے ہم تو اکیلے تم سے چمن کا بیڑا نہ پار ہوگا

☆☆

☆

مجھے کیا غم اگر تو مہرباں ہے
زمانہ لاکھ مجھ سے بدگُماں ہے

ہجومِ غم سے اب گھبرا گیا ہوں
کہاں ہے اے سکونِ دل کہاں ہے

تمھیں بھی مبتلائے غم نہ کردے
بڑی پُر درد میری داستاں ہے

مرا کیا ہے اُجاڑو یا بساؤ
جو سمجھو دل تمہارا ہی مکاں ہے

نہ جانے کیا ستم ڈھائے گا ظالم
کئی دن سے وہ مجھ پہ مہرباں ہے

ہوئے جس کے لیے اپنے بھی دشمن
وہی اب مجھ سے اخترؔ بدگماں ہے

☆☆

☆

اب توقّع ہی کیا باغباں سے
سازشیں کر رہا ہے خزاں سے

رنگ لاتی ہے کیا دیکھنا ہے
برق کی دوستی آشیاں سے

آگ گلشن کی خوں سے بجھاؤ
یہ بجھے گی نہ اشکِ رواں سے

حسن کی خیر اب میرے نالے
بات کرنے لگے آسماں سے

چال کوئی ستم ہی کی ہوگی!
وہ بظاہر جو ہیں مہرباں سے

کوئی آفت نہ ہو آنے والی
آج ہم ہیں جو کچھ شادماں سے

حسن اک مصلحت ہے سراپا
عشق بے گانہ سود و زیاں سے

کیا کروں شکوہ اخترؔ ستم کا
خود پشیماں ہوں جرمِ فغاں سے

☆☆

☆

مل ہی جائے گا کوئی کنارا مجھے
موجِ غم دے رہی ہے سہارا مجھے

لے لیا تُند موجوں نے آغوش میں
ڈھونڈنے اب چلا ہے کنارا مجھے

میرے حُسنِ تصوّر نے دھوکا دیا!
میں نے سمجھا کہ تم نے پکارا مجھے

اے غمِ دوست تو ہے سلامت اگر
پھر تو کافی ہے اتنا سہارا مجھے

جس میں شامل نہ ہو تیرے غم کی خلش
وہ مسرّت نہیں ہے گوارا مجھے

چاک ہے دل مگر مسکراتا ہوں میں
تا نہ سمجھے کوئی غم کا مارا مجھے

کتنی دلکش ہے یہ کس کی آواز ہے
آج اخترؔ یہ کس نے پکارا مجھے

☆☆

☆

کون ہے جو چمن میں پریشاں نہیں
باغباں پھر بھی خوش ہے پشیماں نہیں

دیکھتے ہو گلستاں میں جو روشنی
بجلیاں ہیں یہ شمعیں فروزاں نہیں

دیکھیے اس کی بے رَہ روی دیکھیے
جیسے کشتی کا کوئی نگہباں نہیں

ہم بنا کر نشیمن خطاوار ہیں!
پھونک کر گلستاں تم پشیماں نہیں

خوف طوفاں سے لرزاں ہو ساحل پہ تم
گھِر کے موجوں میں بھی میں ہراساں نہیں

جب گریباں تھا دستِ جنوں ہی نہ تھا
آج دستِ جنوں ہے گریباں نہیں

اس قدر بڑھ گئی ظلمتِ شامِ غم
آسماں پر ستارے درخشاں نہیں

کیسی اخترؔ چمن میں بہار آگئی
بلبلیں نالہ زن ہیں غزل خواں نہیں

☆☆

☆

ستم ہے باغباں سے شکوۂ بیداد ہوتا ہے
چمن میں آج ذکرِ رحمتِ صیّاد ہوتا ہے

قفس میں تھے تو خوابِ آشیاں میں محو رہتے تھے
مگر اب آشیاں میں لُطفِ زنداں یاد ہوتا ہے

اسے بھی ایک اعجازِ نگاہِ باغباں کہیے
کوئی آباد ہوتا ہے کوئی برباد ہوتا ہے

وہ کوئی بھی ہو خانہ زادِ گُلشن ہو کہ بیرونی
جسے[1] مالی بناتا ہوں وہی صیّاد ہوتا ہے

چمن میں چند ہی لمحے سہی اک روشنی تو ہے
بلا سے برق سوزاں آ شیاں برباد ہوتا ہے

یہ ناکامی سہی میں کامیابی ہی سمجھتا ہوں
کہ عالم میری بربادی پہ اخترؔ شاد ہوتا ہے

☆☆

[1] مصرعہ طرح

☆

آئینِ جفا ان کا سمجھے تھے نہ ہم پہلے
ہوتا ہے ستم پیچھے کرتے ہیں کرم پہلے

کیوں سیرِ گلستاں پر ہے چیں بجبیں کوئی
زنداں میں بھی رکّھا تھا میں نے ہی قدم پہلے

آباد رہیں دونوں بُت خانہ بھی کعبہ بھی
یہ بات نہ تھی تم میں اے شیخِ حرم پہلے

ہنستے ہیں گلستاں میں پھر جاکے کہیں غنچے
کرتی ہے دُعا شبنم بادیدۂ نم پہلے

ہوتی نہ اگر کُلفت کیا لطف تھا راحت میں
رہتی ہے مسرّت بھی منّت کشِ غم پہلے

کوشاں ہیں نکلنے کو یوں جاں بھی تمنّا بھی
وہ کہتی ہے ہم پہلے یہ کہتی ہے ہم پہلے

ہے نورِ حقیقت کا جویا تو مگر زاہد
اس راہ میں ملتے ہیں انوارِ صنم پہلے

برہم انھیں کرنے کی مجرم مری آنکھیں ہیں
کچھ کہہ نہ سکا اُن سے یہ ہوگئیں نم پہلے

بخشا ہے محبت نے کچھ رنگِ اثر شاید
تھا تم میں کہاں اخترؔ یہ زورِ قلم پہلے

☆☆

☆

طوفانِ حوادث ہی میں سکوں پاتا ہوں کنارا کیا ہوگا
موجوں کا سہارا کافی ہے اب اور سہارا کیا ہوگا

اے دیکھنے والو یہ منظر موجوں کے قریب آ کر دیکھو
اس طرح سوادِ ساحل سے طوفاں کا نظارا کیا ہوگا

کانوں میں مرے جیسے کوئی آواز تمھاری آئی ہے
یہ حُسنِ سماعت ہے میرا تم نے تو پکارا کیا ہوگا

جیتا تو ہوں تیری یادوں کا لے لے کے سہارا میں لیکن
گرداب میں پھنسنے والے کو تنکے کا سہارا کیا ہوگا

یہ غم کی خلش یہ سوزِ نہاں یہ دردِ دروں یہ اشکِ رواں
آغاز جب ایسا ہے اخترؔ انجام تمھارا کیا ہوگا

☆☆

☆

دل کوئی سہارا اب لے کر شرمندۂ احساں کیا ہوگا
اب درد ہی درماں ہے اپنا اب درد کا درماں کیا ہوگا

ہوجاتی ہے شامِ غم روشن اب میرے جگر کے داغوں سے
یہ انجمِ تاباں کیا ہوں گے یہ ماہِ درخشاں کیا ہوگا

ہوتا ہے ستم جب مجھ پہ کوئی خود عفوِ ستم کر دیتا ہوں
وہ اپنی جفائے ناحق پر تا حشر پشیماں کیا ہوگا

اک بار تو ٹکرا کر دیکھو کشتی کو بھیانک موجوں سے
یوں راحتِ ساحل کے خوگر اندازۂ طوفاں کیا ہوگا

مسموم فضائے گلشن ہے پھولوں کا دریدہ دامن ہے
اس سے تو قفس ہی بہتر ہے یہ صحنِ گلستاں کیا ہوگا

ہر شاخِ چمن ہے افسردہ ہر پھول کا چہرہ پژمردہ
آغاز ہی جب ایسا ہے تو پھر انجامِ بہاراں کیا ہوگا

اے اہلِ طرب افسانۂ غم کہتا ہے غزل کے پردے میں
اک غم کا سراپا ہے اختر بیچارہ غزل خواں کیا ہوگا

☆☆

☆

دل میرا اگر رفتہ رفتہ مانوسِ ستم ہو جاتا ہے
یہ حُسن جفا دیکھو اس کا مائل بہ کرم ہو جاتا ہے

ہم ان سے شکایت کیا کرتے روداد شبِ غم کیا کہتے
آتے ہی زباں تک شکرِ کرم ہر شکوۂ غم ہو جاتا ہے

اللہ رے دل بیداد پسند اس درجہ ستم کا خوگر ہے
ہوتا ہے فسردہ جب کوئی مائل بہ کرم ہو جاتا ہے

تم ہو کہ ہے اپنوں پر بھی ستم میں ہوں کہ ہے میرا یہ عالم
دشمن پہ بھی ہو بیداد اگر دل وقفِ الم ہو جاتا ہے

جب وجہ سکونِ دل ہے یہی اختؔر تو مداوا کیا معنی
دل اور تڑپنے لگتا ہے کچھ درد جو کم ہو جاتا ہے

☆☆

☆

بیداد کا ساماں کرتا ہے مائل بہ جفا ہو جاتا ہے
اظہارِ تمنّا کرتے ہی بندہ بھی خدا ہو جاتا ہے

ہاں یہ بھی طریقہ اچھا ہے تم خواب میں ملتے ہو مجھ سے
آتے بھی نہیں غم خانے تک وعدہ بھی وفا ہو جاتا ہے

پہنچے نہ اذیّت کچھ ان کو ایسا نہ ہو کوئی آنچ آئے
نکلی جو لبوں سے آہ تو دل مصروفِ دعا ہو جاتا ہے

اس رشکِ مسیحا کی اخترؔ میں لاج تو رکھ لیتا ہوں مگر
اس دردِ جگر کو کیا کہیے کچھ اور سِوا ہو جاتا ہے

☆☆

☆

لذّتِ درد ابھی تک دلِ نخچیر میں ہے!
ہائے کیا چیز نہاں تیرے سرِ تیر میں ہے

ناز ہے اپنی اسیری پہ دلِ ناداں کو!
جانے کیا بات تیری زلفِ گرہ گیر میں ہے

التفات آنکھوں میں چہرے پہ مروّت کی ضیاء
تجھ[1] میں وہ بات نہیں جو تری تصویر میں ہے

[1] مصرعہ طرح

کیا کروں لے کے مسیحا نفسوں کے احساں
مجھ کو معلوم ہے جو کچھ مری تقدیر میں ہے

جورِ اغیار نہیں اپنوں کی بیداد تو ہے
آج بھی پاؤں مرا حلقۂ زنجیر میں ہے

دیکھ صیّاد ترا عیش نہ برہم ہو جائے
اتنی تاثیر ابھی نالۂ شب گیر میں ہے

دل لیا جان بھی لی اور بھی کچھ باقی ہے
کیوں ترا ہاتھ ابھی قبضۂ شمشیر میں ہے

ایک دھوکا ہے غمِ دل کا مداویٰ اخترؔ
نا مرادی ہی ازل سے مری تقدیر میں ہے

☆☆

☆

گریۂ غم ہے عبث دیدۂ نم سے پہلے
بے حقیقت ہے مسرّت جو ہو غم سے پہلے

آشنا ہوگئے اس سے بھی یہی کیا کم ہے
سنتے تھے نامِ ستم تیرے کرم سے پہلے

ہم کو الزام تو دیتے ہو محبت کا مگر
تم نے محسوس کیا تھا اسے ہم سے پہلے

☆☆

☆

جفاؤں پر بھی میں نے جاں فدا کی
نہ جانی قدر کچھ تو نے وفا کی!

زباں خود کاٹ کر رکھ دوں گا اپنی
اگر تیرے ستم کی ہوگی شاکی

اگر بگڑے تو شرما جائیں شیطاں
بنے تو پھر فرشتہ ہے یہ خاکی!

تصوّر سے ترے روشن تھی ورنہ
شبِ غم میں وہ تاریکی بلا کی!

زباں رندانہ مضموں عارفانہ
غزل ہے اخترِؔ رنگیں نوا کی

☆☆

☆

یہ ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی یہ سکون بخش سائے
رہِ عشق کے مسافر تجھے نیند آ نہ جائے

یہ چمن، یہ تم، یہ موسم، یہ حسیں گلوں کے سائے
میرا عہد پارسائی کہیں پھر نہ ٹوٹ جائے

جسے لذّتِ اسیری ہی ازل سے راس آئے
ترے دامِ زلف پُرخم سے کہاں نکل کے جائے

مرا دل پناہ دے گا مرے دل میں سر چھپائے
ترا تیر چشمِ ساقی جو کہیں اماں نہ پائے

یہ کرم نُما نگاہیں یہ وفا نُما تبسُّم!
کوئی جیسے ہلکے ہلکے مرے دل کو گد گدائے

مرے دل پہ ہاتھ رکھ کر مجھے دینے والے تسکیں
کہیں دل کی دھڑکنوں سے تجھے چوٹ آ نہ جائے

یہ خلش، یہ سوزِ پنہاں، یہ جگر کے داغ تاباں
تمھیں منصفی سے کہہ دو کوئی کیسے مُسکرائے

شبِ غم نکل پڑا تھا مرے دل سے ایک نالہ
مجھے ڈر ہے ان کو یا رب کوئی آنچ آ نہ جائے

مری شاعری سے رغبت کبھی بے سبب نہیں ہے
اسے کیا پڑی ہے اخترؔ مرا شعر گنگنائے

☆☆

☆

مرے ساتھ سیرِ چمن کبھی، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ فضا، وہ چاند، وہ چاندنی، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ سرور و کیف کی سرخوشی، وہ سرور و نغمہ کی دل کشی
وہ مئے نشاط کی بے خودی، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

پسِ پردہ آنکھ مچولیاں، وہ کبھی عیاں، وہ کبھی نہاں
وہ نگاہِ شوق کی بے کلی، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تھیں تمہاری جس پہ نوازشیں، کبھی تم بھی جس پہ تھے مہرباں
یہ وہی ہے اخترِؔ مُسلمی، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

☆☆

☆

محرمِ رازِ غمِ دل پہ نظر ہو نہ سکی
جوششِ بحر کی ساحل کو خبر ہو نہ سکی

دل کا ہر داغ تو خورشید صفت ہے لیکن
پھر بھی اے دوست شبِ غم کی سحر ہو نہ سکی

کون ہے جس نے مرے حال پہ ماتم نہ کیا
مجھ پہ اک تم سے عنایت کی نظر ہو نہ سکی

یوں بھی آئے ہو مری خلوتِ خاموش میں تم
اپنے آنے کی تمھیں خود بھی خبر ہو نہ سکی

لبِ خاموش سے اِک آہ نکل آئی تھی
وہ بھی شرمندۂ تاثیر مگر ہو نہ سکی

ایک نکلی تو ہزاروں نے جگہ لی اخترؔ
کبھی تکمیل تمنّائے بشر ہو نہ سکی

☆☆

☆

ناگوار اس کو ہے شرمندۂ احساں ہونا
آ گیا آپ مرے درد کو درماں ہونا

جوشِ وحشت میں مرا حالِ پریشاں ہونا
وہ ترا دیکھ کے انگشتِ بدنداں ہونا

میرا آمادۂ صد چاک گریباں ہونا
ہائے وہ تیرے تصوّر کا نگہباں ہونا

کر دیے سارے ستم چرخِ کہن سے منسوب
مجھ سے دیکھا نہ گیا اُن کا پشیماں ہونا

چاک دامن پہ بڑا ناز ہے ان پھولوں کو
آ کے دیکھیں مرے دامن کا گریباں ہونا

مسندِ عیش پہ ہنسنا تو کوئی بات نہیں!
سیکھ اے دوست سرِ دار بھی خنداں ہونا

موجِ خونِ دلِ صد چاک سلامت اخترؔ
کیا بڑی بات ہے زنداں کا گلستاں ہونا

☆☆

☆

تمہاری بزم کی یوں آبرو بڑھا کے چلے
پیے بغیر ہی ہم پاؤں لڑکھڑا کے چلے!

یہ مَے پرست مئے ناب پی کے بہکیں گے
نگاہِ ساقی سے ہم تو نظر ملا کے چلے!

تمہاری راہ بھی تاریکیوں میں گم ہوگی!!
مری امیدوں کی شمعیں کہاں بجھا کے چلے!

شہیدِ ناز کا انجام دیکھتے جاؤ!!
یہ کیا کہ چپکے سے برقِ نظر گرا کے چلے

نقابِ حُسن سلامت بخیر جلوۂ ناز!!
کہاں نظر کا مری حوصلہ بڑھا کے چلے!

یہ وہ چمن ہے جہاں گل بھی خارِ خصلت ہیں
چمن پرست بھی دامن بچا بچا کے چلے!

بجھا سکے نہ کبھی میری شمعِ شہرت کو!
یہ تُند جھونکے تو اختر بہت ہوا کے چلے

☆☆

☆

نہ پوچھ میرے دلِ پُر محن پہ کیا گذری
نظر ملی تو ترے بانکپن پہ کیا گذری

ہوا جو غیر کا حال امتحاں کے بعد نہ پوچھ
مجھے بتا کہ ترے حُسنِ ظن پہ کیا گذری

نکالے جانے کی اپنے تو کوئی فکر نہیں!
ہمارے بعد تری انجمن پہ کیا گذری!

چمن کے پھول نہ ہنس میرے چاک دامن پر
ذرا یہ دیکھ ترے پیرہن پہ کیا گذری

کسی کی برقِ تبسُّم کا خواب دیکھا تھا
نہ جانے رات ہمارے چمن پہ کیا گذری

مرے جہاں کے ہوئے جب سے تم مہ تاباں!
خدا ہی جانے کہ چرخِ کہن پہ کیا گذری

بنا کے چھوڑ دیا ہے کسی نے دیوانہ
نہ پوچھ اخترؔ رنگیں سُخن پہ کیا گذری

☆☆

☆

رہا نہ ضبطِ غمِ دل اگر تو کیا ہوگا
نہ آہ کا بھی ہوا کچھ اثر تو کیا ہوگا

نہ دیکھ یوں نگہِ التفات سے اے دوست
یہ کر گئی جو کہیں دل میں گھر تو کیا ہوگا

یہ تارِ اشکِ مسلسل یہ آہِ نیم شبی!
کسی کو ہوگئی اس کی خبر تو کیا ہوگا

متاعِ قلب و نظر جھک کے لوٹ لی اس نے
جو اٹھ گئی نگہ فتنہ گر تو کیا ہوگا

مرا نہیں نہ سہی تیرا اختیار تو ہے
رہا نہ دل پہ ترا بھی اثر تو کیا ہوگا

یہ تیری یاد کی محویّتیں ارے توبہ
تو آئے، پھر بھی رہوں بے خبر تو کیا ہوگا

ابھی تو ہیں مہ و انجم ہی زد میں انساں کی
یہ بے خبر، جو ہوا باخبر تو کیا ہوگا

سجی ہے گوہرِ فن سے مری غزل اخترؔ
نہ دے گا داد کوئی کم نظر تو کیا ہوگا

☆☆

☆

یہ اب کی بار جو فصلِ بہار گذری ہے
ترے بغیر بہت ناگوار گذری ہے

نہ جانے سَر سے اجل کتنی بار گذری ہے
نہ پوچھ کیسے شبِ انتظار گذری ہے

سکوں ملے گا بھلا بوئے زلف یار سے کیا
ابھی یہیں سے وہ خود بے قرار گذری ہے

نگاہِ دوست ترے غم کی لذّتوں کی قسم
کبھی[1] کبھی تو مُسرّت بھی بار گذری ہے

یہ آرزوے کرم تھی نہ شکوۂ بیداد
نگاہِ شوق تمھیں ناگوار گذری ہے

نشان پڑتے گئے پائے ناز کے تیرے
جہاں جہاں سے نسیمِ بہار گذری ہے

سرورِ لذّتِ غم میں رہی نہ یاد اخترؔ
وہ زندگی جو بڑی خوش گوار گذری ہے

☆☆

---

[1] مصرعہ طرح

☆

نہ شیخ کا ہے تذکرہ نہ برہمن کی بات ہے
مری زباں پہ چند اہلِ مکر وفن کی بات ہے

کسی پہ گل کی بارشیں کسی کو خار وخس ملے
یہ باغباں کا ظرف ہے چمن چمن کی بات ہے

کسی کو خُم کے خم ملے، کوئی ترس کے رہ گیا!
ہٹاؤ جانے دو تمہاری انجمن کی بات ہے

جو بو الہوس تھے ان کو تم وفا پرست کہتے ہو
چلو یہی سہی تمہارے حُسنِ ظن کی بات ہے

وفا کرو جفا ملے، بھلا کرو برا ملے
ہے ریت دیش کی چلن چلن کی بات ہے

ستم بھی اختر اپنوں سے جو ہوں تو بھول جایئے
بھلی ہو یا بری سب اپنے ہی وطن کی بات ہے

☆☆

☆

یوں تو اپنے آپ کو ہم فریب دیتے ہیں
حُسن کے مزاج کو کون جانتا نہیں

مجھ پہ ہو کہ غیر پر، ہے تو لُطف کی نظر
سب وفا پرست ہیں کوئی بے وفا نہیں!

کس طرح میں آپ سے عہدِ ضبطِ غم کروں
اس پہ اختیار کیا دل تو مانتا نہیں

اپنی دھن میں ہو کے گُم میں کہاں نکل گیا!
اہلِ کارواں کا تو دور تک پتا نہیں!

اخترؔ تباہ سے نہ یوں گریز کیجیے
حال ہی برا ہے صرف، آدمی برا نہیں

☆☆

☆

تصویرِ وفا بن کے مرا نقش ہے دل میں
یوں لب پہ کسی کے مرا نام آئے نہ آئے

آج اے دلِ بیتاب تو جی بھر کے تڑپ لے
کیا اس کی خبر پھر کوئی شام آئے نہ آئے

میرے ہی لیے باعثِ آزار تھا اخترؔ
کم بخت یہ دل ان کے بھی کام آئے نہ آئے

☆☆

☆

نالے مرے جب تک مرے کام آتے رہیں گے
اے ذوقِ نظر وہ لبِ بام آتے رہیں گے

اے ذوقِ طلب تو جو سلامت ہے تو کیا غم
لب تک مرے خود جام پہ جام آتے رہیں گے

دل زندہ اگر ہو تو پھر اے زیست کے طالب
ہر گام پہ جینے کے پیام آتے رہیں گے

منزل کی تمنّا ہے تو ٹھکرا کے نکل جا
صیّاد لیے دانہ و دام آتے رہیں گے

کھا جاؤ نہ دھوکا کہیں منزل کے گماں پر
رستے میں کچھ ایسے بھی مقام آتے رہیں گے

اخترؔ اگر آباد رہے گُل کدۂ دل!
پھر اس میں تو کچھ مست خرام آتے رہیں گے

☆☆

☆

ہم اہلِ دل ہیں تابشِ داغِ جگر لیے
شامِ الم ہے جلوۂ حُسنِ سحر لیے

جلوے ترے اسیر نہ ہوجائیں دیکھنا
اہلِ ہوس ہیں گھات میں دامِ نظر لیے

ان کے لبوں پہ برقِ تبسُّم تھی جلوہ ریز
پلکیں تھیں میری چند درخشاں گُہر لیے

یہ خونِ دل یہ نخلِ تمنّا یہ دشتِ عشق
ہم جی رہے ہیں دل میں امیدِ ثمر لیے

صحرا بہ صحرا ڈھونڈتی پھرتی ہے اب کسے
تیرا پیامِ زیست نسیمِ سحر لیے

دامن ہو داغدار مبادا نہ پونچھئے
یہ اشکِ غم ہیں سرخیِ خونِ جگر لیے

بیٹھا ہوں خاک چھان کے دیر و حرم کی میں
کس سمت جا رہا ہے مجھے راہبر لیے

کیا فکر اخترؔ آبلۂ دل کی اب مجھے
ہیں چشمِ دوستاں بھی سرِ نیشتر لیے

☆☆

☆

ٹکڑے ہوا کیے ہیں دلِ بے قرار کے
پوچھو نہ کیسے گزرے ہیں دن انتظار کے

دل میرا داغ دار ہے گلشن ہے لالہ زار
دیکھے تو کوئی یہ بھی کرشمے بہار کے

تو خود بھی ہو نہ جائے کہیں مبتلائے غم
تسکین دینے والے دلِ سوگوار کے

احساس دل کو ہوتا ہے اک انس خاص کا
ملتے ہیں لوگ جب کبھی ان کے دیار کے

اخترؔ یہ کیا تھا کم کہ غمِ عشق بھی ملا
ہم تو اسیر تھے ہی غمِ روزگار کے

☆☆

☆

ہیں پلکوں پہ لرزاں نہ ٹوٹیں نہ ڈوبیں!
بڑی کشمکش میں ہیں آنسو اُبل کے

چھپاتی رہیں رازِ غم زندگی بھر
مری آہیں نغموں کے سانچے میں ڈھل کے

نہ دنیا کے لائق نہ عقبیٰ کے قابل!!
کہاں تیری محفل سے جائیں نکل کے

خبر بھی ہوئی آگہی کو نہ میری
وہ یوں دل میں آئے دبے پاؤں چل کے

کہیں میری توبہ نہ پھر ٹوٹ جائے
وہ اٹھیں گھٹائیں وہ پھر جام چھلکے

خبر کیا تھی اخترؔ بدل جائے گا خود
کوئی رخ مری زندگی کا بدل کے

☆☆

☆

تری جفا پہ گمانِ وفا کیا میں نے
گناہِ عشق کی یوں جھیل لی سزا میں نے

رہِ وفا میں لٹا کر متاعِ قلب و جگر
کیا ہے تیری محبت کا حق ادا میں نے

ہجومِ غم میں نکل آئی ہے جو آہ کبھی
تو کی ہے بے اثری کی بھی پھر دعا میں نے

وفا ہو یا کہ جفا جو بھی مل گیا تم سے
ہر اک کو سینے سے اپنے لگا لیا میں نے

جلا کے دل میں تری شمعِ آرزو اے دوست
ہر اک چراغ تمنّا بجھا دیا میں نے

کسی کی چشم ندامت سے پالیا اخترؔ
تمام حسرت ناکام کا صلہ میں نے

☆☆

☆

جو کہیں فریب کھایا مرے ذوقِ جستجو نے
وہیں کی ہے رہنمائی تری شمعِ آرزو نے

وہ عجیب رنگ بخشا ہے خجلِ شفق کی سُرخی
میرے عشق سادہ دل کو ترے حُسن لالہ رو نے

جو پڑے ہیں میرے دامن پہ نشانِ اشکِ رنگیں
دلِ خوں شدہ کے میرے یہ تمام ہیں نمونے

ہوا کارگر نہ کوئی کیے کتنے کتنے افسوں!
تری ایک خامشی پر مری لاکھ گفتگو نے

نہ گئی مہک ابھی تک میرے زخم ہائے دل کی
کیا اس قدر معطّر تری زلفِ مشکبو نے

مری تجھ سے خاص نسبت کا بھرم گنواں دیا ہے
تری چشمِ خشمگیں نے مرے خونِ آرزو نے

کوئی جیسے اخترؔ اخترؔ کی صدائیں دے رہا ہے
مرے کان بج رہے ہیں کہ مجھے پکارا تونے

☆☆

☆

جس کو زہرِ غم کا پینا آ گیا
اس کو جینے کا قرینہ آ گیا

ہائے رے ان کی نگاہِ خشمگیں
آرزوؤں کو پسینہ آ گیا

شوق سے مشقِ ستم فرمائیں آپ
اب مجھے مر مر کے جینا آ گیا

ڈوب جانے کی تمنّا رہ گئی
اب تو ساحل تک سفینہ آ گیا

☆☆

☆

روشنی ہونے لگی دل کے قریب
شاید آ پہنچے ہیں منزل کے قریب

دور جانے والے آنکھوں سے مری
اور بھی تم آگئے دل کے قریب

بے وفا آنکھوں نے رستہ دے دیا
راہ زن آ ہی گیا دل کے قریب

کچھ نہ تھا منظور جُز ذوقِ طلب
لوٹ آئے جا کے منزل کے قریب

ہم نے رکھ لی ڈوب کر طوفاں کی لاج
ورنہ آ پہنچے تھے ساحل کے قریب

اخترؔ اُف ان کے تبسّم کا خیال
کوند اٹھیں بجلیاں دل کے قریب

☆☆

☆

لوگ یوں رازِ تعلق پا گئے
تذکرہ میرا تھا تم شرما گئے

پُرسشِ غم آپ یوں فرما گئے
جام میرے ضبط کا چھلکا گئے

کیا ستم ہے آئے بیٹھے چل دیے
تم تو آکر اور بھی تڑپا گئے

کیا خبر تھی سنگ دل نکلو گے تم
ہم تو اس صورت سے دھوکا کھا گئے

ان کی زلفیں ہی نہ سلجھیں اور ہم
داستانِ زندگی دہرا گئے

اس نے دیکھا مجھ کو اس انداز سے
کچھ جبینوں پر کئی بل آ گئے

ہم کو سودا عشق کا مہنگا نہیں
کھوئے کچھ اس راہ میں کچھ پا گئے

☆☆

موج صبا

☆

اے طوفانِ حوادث ہم کو یہ نہ سمجھ انجانے ہیں!
تو نہ ہمیں پہچانے لیکن ہم تو تجھے پہچانے ہیں!

تیرا بھلا ہو گردشِ دوراں خوب ترے پیمانے ہیں
اب دیوانے فرزانے ہیں فرزانے دیوانے ہیں

یہ اپنا ہے یا بے گانہ اہلِ خرد پہچانے ہیں
ہم تو دیوانے ہیں یارو سب کو اپنا جانے ہیں

جامہ آج کے انسانوں کا کیا پوچھو ہو کیسا ہے
خلق و مروّت کے تانے ہیں بغض و حسد کے بانے ہیں

آج کے دور میں ناممکن ہے دانے ہوں اور دام نہ ہو
طائرِ دل یہ خوش فہمی ہے دام نہیں ہیں دانے ہیں

چوراہے سُنسان پڑے ہیں سڑکوں پر سنّاٹا ہے
اِن شہروں سے بارونق تو صحرا ہیں ویرانے ہیں

روک نہ لیں رستے میں تجھ کو اپنی جانب کھینچ نہ لیں
سوئے حرم اے جانے والے راہ میں کچھ بت خانے ہیں

کیوں خائف کرتا ہے ناصح کیا مجھ کو سمجھاتا ہے
راہِ طلب میں جو کانٹے ہیں سب جانے پہچانے ہیں

اخترؔ اپنے بھی بیگانے ہوجاتے ہیں مصیبت میں
بے گانوں کا ذکر ہی کیا ہے بیگانے بیگانے ہیں

☆☆

☆

تم اپنی زباں خالی کر کے اے نکتہ ورو پچھتاؤ گے
میں خوب سمجھتا ہوں اس کو جو بات مجھے سمجھاؤ گے

اک میں ہی نہیں ہوں تم جس کو جھوٹا کہہ کر بچ جاؤ گے
دنیا تمہیں قاتل کہتی ہے کس کو کس کو جھٹلاؤ گے

یا راحتِ دل بن کر آؤ یا آفتِ دِل بن کر آؤ!
پہچان ہی لوں گا میں تم کو جس بھیس میں بھی تم آؤ گے

ہر بات بساطِ عالم میں مانند صدائے گنبد ہے
اوروں کو برا کہنے والو تم خود بھی برے کہلاؤ گے

پھر چین نہ پاؤ گے اخترؔ اس درد کی ماری دنیا میں
اس در سے اگر اٹھ جاؤ گے، در، در کی ٹھوکر کھاؤ گے

☆☆

☆

باقی ہے میرے واسطے اور کوئی جفا کہ بس[1]
کیا ابھی آزمائیں گے آپ مری وفا کہ بس

ذکر شبِ فراق کا میری زباں پہ آگیا
ایک ذرا سی بات پر اتنا ہے وہ خفا کہ بس

رہ گئی دل میں دل کی بات فرصتِ گفتگو نہ دی
آنے کو آئے وہ مگر ایسے رکابِ پا کہ بس

[1] مطلع میں ایطا ہے مگر میں اس کو روا سمجھتا ہوں۔

اس نے بتا پیامبرسن کے دل حزیں کا حال
''رحم کرے خدا'' کے بعد اور بھی کچھ کہا کہ بس

جلوہ بھی اس کا پردہ ہے پردہ بھی اس کا جلوہ ہے
ایسی نظر فریب ہے اس کی ہر اک ادا کہ بس

غیر بھی اپنے تھے کبھی اپنے بھی آج غیر ہیں!
اب تو مزاجِ آدمی اتنا بدل گیا کہ بس

چہرے تمام زرد ہیں، آئینے گرد گرد ہیں
صحنِ جہاں میں دوستو ایسی چلی ہوا کہ بس

صبر و قرارِ دل مرے جانے کہاں چلے گئے
بچھڑے ہوئے نہ پھر ملے ایسے ہوئے جدا کہ بس

ایک خطائے عشق پر ہجر کی یہ صعوبتیں
اخترِؔ بدنصیب کو ایسی ملی سزا کہ بس

☆☆

☆

اُڑ جاؤں نہ میں دھجی بن کر احساس کی تُند ہواؤں میں
کس طرح پہناؤں زنجیریں سرکش جذبات کے پاؤں میں

اِن سرد پھواروں سے ہمدم تن من میرا جل جائے گا
پانی نہیں آگ کے شعلے ہیں ساون کی گھور گھٹاؤں میں

ایسا نہ ہو میرے سر پہ کہیں پھر یاس کے بادل چھا جائیں
جاتے تو ہو بیٹھا کر مجھ کو تم آس کی ٹھنڈی چھاؤں میں

جذبات کا بڑھتا طوفاں ہے تم روک نہ پاؤ گے اس کو
ہاتھوں میں لگا کر ہتھکڑیاں زنجیر پنہا کر پاؤں میں

دیہات کے بسنے والے تو اخلاص کے پیکر ہوتے ہیں
اے کاش نئی تہذیب کی روشہروں سے نہ آتی گاؤں میں

کچھ اہلِ بصیرت ہی اختر اس راز کی تہ تک پہنچیں گے
اک تلخ حقیقت ہے پنہاں میری پُر کیف نواؤں میں

☆☆

☆

کہاں جائیں چھوڑ کے ہم اُسے کوئی اور اس کے سوا بھی ہے
وہی دردِ دل بھی ہے دوستو وہی دردِ دل کی دوا بھی ہے

مری کشتی لاکھ بھنور میں ہے نہ کروں گا میں تری منّتیں
یہ پتا نہیں تجھے ناخدا میرے ساتھ میرا خدا بھی ہے

یہ ادا بھی اس کی عجیب ہے کہ بڑھا کے حوصلۂ نظر
مجھے اذنِ دید دیا بھی ہے مرے دیکھنے پہ خفا بھی ہے

مری سمت محفل غیر میں وہ ادائے ناز سے دیکھنا
جو خطائے عشق کی ہے سزا تو میری وفا کا صلہ بھی ہے

جو ہجومِ غم سے ہے آنکھ نم تو لبوں پہ نالے ہیں دم بدم
اسے کس طرح سے چھپائیں ہم کہیں رازِ عشق چھپا بھی ہے

یہ بجا کہ اخترِؔ مسلمی ہے زمانے بھر سے برا مگر
اسے دیکھیے جو خلوص سے تو بھلوں میں ایک بھلا بھی ہے

☆☆

☆

فریب کاریِٔ انساں سے ڈر لگے ہے مجھے
پیامِ امن کے عنواں سے ڈر لگے ہے مجھے

اندھیرے لاکھ غنیمت ہیں اس اجالے سے
جدید شمعِ فروزاں سے ڈر لگے ہے مجھے

کچھ اس طرح کے بہاروں نے گُل کھِلائے ہیں
کہ اب تو فصلِ بہاراں سے ڈر لگے ہے مجھے

علاجِ دردِ زمانہ بھی لازمی ہے مگر
مسیحِ وقت کے درماں سے ڈر لگے ہے مجھے

بصیرتوں کو یہ معدوم کر نہ دے ہمدم
تجلّیات کے طوفاں سے ڈر لگے ہے مجھے

نہ جانے اس کا صلہ کیا طلب کرے مجھ سے
ندیمِ وقت کے احساں سے ڈر لگے ہے مجھے

کب اہلِ کفر کی پروا ہے واعظِ ناداں
تمھارے جیسے مسلماں سے ڈر لگے ہے مجھے

جلیں گے کتنے نشیمن نہ پوچھیے اخترؔ
چمن میں جشنِ چراغاں سے ڈر لگے ہے مجھے

☆☆

☆

ہر ایک چہرہ مجھے سوگوار لگتا ہے
میں دیکھتا ہوں جسے بے قرار لگتا ہے

ق

یہ کیا کیا نئی تہذیب نے کہ اب انساں
خود اپنے گھر میں غریب الدّیار لگتا ہے

کسی کو فکر نہیں زخمیوں کے مرہم کی
جسے بھی دیکھیے نامہ نگار لگتا ہے

اتار دے گا نقاب اپنی انتخاب کے بعد
یہ شخص آج بڑا خاکسار لگتا ہے

وہ دوسروں کے لیے کیوں زباں پہ لاتے ہیں
جو لفظ آپ کو خود ناگوار لگتا ہے

اثر دکھا ہی دیا میری بے گناہی نے
ستم پہ اپنے وہ کچھ شرمسار لگتا ہے

عجیب درس ملا ہے مجھے اخوّت کا
دیارِ غیر بھی اپنا دیار لگتا ہے

کسی کی چشمِ عنایت کا فیض کیا کہنا
بڑا حسین دلِ داغدار لگتا ہے

ربابِ دل پہ کوئی نغمہ چھیڑ دے اخترؔ
کہ موسم آج بڑا خوشگوار لگتا ہے

☆☆

☆

جو ماہتاب چمکتا دکھائی دیتا ہے
یہ کیا ہے اور ہمیں کیا دکھائی دیتا ہے

ق

کریں تو کیسے کریں اعتبار ان آنکھوں پر
سراب بھی ہمیں دریا دکھائی دیتا ہے

خلوص دل کا پتہ پاؤ گے نہ چہرے سے
خراب پھل بھی تو اچھا دکھائی دیتا ہے

نہ جانے حشر کا میداں ہے یہ، کہ دنیا ہے
جسے بھی دیکھیے تنہا دکھائی دیتا ہے

ہر اک میں عیب کے آثار ڈھونڈھنے والے
مثل ہے جیسے کو تَیسا دکھائی دیتا ہے

سیاہ رنگ کی عینک اتار کر دیکھو
یہ شخص اب تمھیں کیسا دکھائی دیتا ہے

نشانِ راہ اندھیروں میں گم نہ ہو جائے
بڑھے چلو ابھی رستہ دکھائی دیتا ہے

اک انجمن تھی کبھی اخترؔ خراب کی ذات
اب انجمن میں اکیلا دکھائی دیتا ہے

☆☆

☆

اب راہزن کو راہ نما کہہ رہے ہیں لوگ
حیراں ہوں دوستو کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں لوگ

اس درجہ بے ضمیر ہیں اللہ کی پناہ
ان کی ہر اک جفا کو وفا کہہ رہے ہیں لوگ

جس درد سے لبوں پہ ہے انسانیت کی جاں
اس درد ہی کو آج دوا کہہ رہے ہیں لوگ

کچھ امتیاز شعلہ و شبنم نہیں انھیں
بادِ سموم کو بھی صبا کہہ رہے ہیں لوگ

کیا دیکھتے نہیں کہ سلگتے ہیں آشیاں
چھایا ہوا دھواں ہے گھٹا کہہ رہے ہیں لوگ

اخترؔ فتورِ عقل نہیں ہے تو کیا ہے یہ
کشتی کے ناخدا کو خدا کہہ رہے ہیں لوگ

☆☆

☆

تہذیبِ نَو کے لوگ وہ خوش پوش ہوگئے
بارِ لباس سے بھی سبکدوش ہوگئے

دورِ خرد میں اہلِ خرد کا پتہ نہیں
سائے میں اپنی عقل کے روپوش ہوگئے

رکھتا ہے کون دیکھیے اب میکدے کی لاج
تھے بادہ نوش جتنے حیا نوش ہوگئے

اپنوں نے وہ سلوک کیا مجھ سے دوستو
اغیار کے ستم بھی فراموش ہوگئے

اخترؔ ملے گی خاک زمانے سے دادِ عشق
اہلِ وفا بھی اب تو جفا کوش ہوگئے

☆☆

ایک خاص پس منظر میں

☆

گل ولالہ ہیں نہ طیور ہیں سبھی اس چمن سے چلے گئے
ہوئے کس عذاب میں مبتلا کہ یہ خود وطن سے چلے گئے

وہ نیاز ہے، نہ وہ ناز ہے، نہ وہ سوز ہے، نہ وہ ساز ہے
یہ بتا کہ اہلِ وفا کہاں تری انجمن سے چلے گئے

نہ جفا تھی میرے لیے جفا نہ ستم کو میں نے ستم کہا
جو گماں تھے تیری اداؤں پر مرے حسنِ ظن سے چلے گئے

نہ وہ رنگ ہے، نہ وہ نور ہے، نہ وہ دل کشی کا سرور ہے
یہ نہ جانے کس لیے روٹھ کر گل و یاسمن سے چلے گئے

ترے غم کے ساتھ چلی گئی نہ رہی وہ رونقِ زندگی
سبھی عکس حسنِ خیال کے مرے فکر و فن سے چلے گئے

کہو اُس سے اخترِؔ مسلمی نہ رہے گی پھر یہ ہما ہمی
جو خدا نہ خواستہ ہم کبھی تری انجمن سے چلے گئے

☆☆

ایک خاص پس منظر میں

☆

ساری دنیا جو خفا ہے تو خفا رہنے دو
میرے ہونٹوں پہ مگر حق کی صدا رہنے دو

دوستو مجھ کو پرستارِ خدا رہنے دو
اہلِ بُت خانہ خفا ہیں تو خفا رہنے دو

میرے اظہارِ حقیقت پہ جہاں میں یارو
ایک ہنگامہ بپا ہے تو بپا رہنے دو

کرکے آمیزشِ باطل نہ کرو مسخ اسے
حق اگر حق ہے تو باطل سے جدا رہنے دو

ظلمتِ کفر میں گُم ہوگئے راہوں کے نقوش
دیدۂ شوق میں ایماں کی ضیا رہنے دو

شاید آجائے کوئی نورِ بصیرت کی کرن
ذہن کا اپنے دریچہ تو کھلا رہنے دو

کون جانے کہ یہی درد دوا بن جائے
بڑھ گیا درد جو حد سے تو بڑھا رہنے دو

روشنی پھیلے گی سمٹے گا اندھیرا اخترؔ
مت بجھاؤ یہ امیدوں کا دیا رہنے دو

☆☆

☆

جبینِ ناز تری خاکسار ہو تو سہی
کیے پہ اپنے کبھی شرمسار ہو تو سہی

ق

برس پڑیں گی گھٹائیں امنڈ کے رحمت کی
تو سر جھکا کے ذرا اشکبار ہو تو سہی

زمانہ تیرے لیے بے قرار ہوجائے
تو دوسروں کے لیے بے قرار ہو تو سہی

کشش خلوص کی خود کھینچ لائے گی اس کو
کسی کا دل سے تجھے انتظار ہو تو سہی

نہ گل کھلیں گے کہ کلیاں نہ مسکرائیں گی
بہار کہتے ہو جس کو بہار ہو تو سہی

ہر ایک شے ہو تیرے اختیار میں اخترؔ
تو پہلے تابعِ پروردگار ہو تو سہی

☆☆

☆

بغیر سجدہ گذارے کہیں مفر بھی نہیں
اس آستاں کے سوا کوئی سنگِ در بھی نہیں

تم ایک پل کے لیے دل میں آئے اور چلے
تمہارا گھر یہ نہیں ہے تو رہ گذر بھی نہیں

سنا دوں تم کو سرِ راہ چند لفظوں میں
فسانۂ غمِ دل اتنا مختصر بھی نہیں

جنوں میں نام ترا لب تک آ نہیں سکتا
میں بے خبر ہوں مگر اتنا بے خبر بھی نہیں

جہانِ غیر میں ڈوبے نہ آفتاب کبھی
مرے نصیب میں اِک لمحۂ سحر بھی نہیں

یہ کوہسار مہ و خور یہ وادئ شب و روز
سفر ہے سخت بہت، کوئی ہم سفر بھی نہیں

بتاؤ لوگو یہ کیسا جمود طاری ہے
تمہارے شہر میں کیا کوئی فتنہ گر بھی نہیں

نہ ملتفت ہو ابھی اور بات ہے اخترؔ
ہمارے حال سے لیکن وہ بے خبر بھی نہیں

☆☆

☆

نہ عزّ و جاہ سے پایا نہ مال و زر سے ملا
سکونِ دل جو ملا تیرے سنگِ در سے ملا

جو باخبر تھے وہ دیتے رہے فریب مجھے
ترا پتہ جو ملا ایک بے خبر سے ملا

بہت نقوش نظر آئے مجھ کو عبرت کے
وہ منزلوں سے نہ پایا جو رہ گذر[1] سے ملا

[1] یہ حفیظ میرٹھی کا مصرعہ ہے۔

کہاں نصیب ہوا نغمہ ہائے شیریں سے
نشاطِ دل جو مجھے نالۂ سحر سے ملا

یہ رحمتوں کی گھٹائیں عنایتوں کا ہجوم
نہ جانے آپ کو کیا میری چشمِ تر سے ملا

کچھ اور ہوگئے شاداب زخم ہائے جگر
نہ پوچھیے جو مجھے میرے چارہ گر سے ملا

نہ چل پڑا وہ تیری سمت وائے محرومی
ترا پیام جسے تیرے نامہ بر سے ملا

عناد و بغض کو دل میں جگہ نہ دی میں نے
خلوصِ دل سے ملا جب کسی بشر سے ملا

جو راز پالے دلِ بے قرار کا اخترؔ
نظر ملا تو کسی صاحبِ نظر سے ملا

☆☆

☆

مصلحت کیا ہے مصائب میں مشیّت جانے
بندگی کا تو تقاضا ہے کہ رحمت جانے

ہر ادا سے ہو جسے پیار وفا ہو کہ جفا
وہ اذیّت کسے سمجھے، کسے راحت جانے

کیسے مائل بہ کرم ہو میری جانب وہ ندیم
اضطرابِ دلِ مضطر کو جو وحشت جانے

ہم کو اس سے عبث امید ہے دلداری کی
حسنِ اخلاق جو سمجھے نہ مروّت جانے

کس طرح قعرِ مذلت سے نکل سکتا ہے
وائے افسوس جو پستی ہی کو رفعت جانے

ہر نفس موت کا پیغام ہے انساں کے لیے
فرصتِ چند نفس کو بھی غنیمت جانے

خضر کی عمر بھی مل جائے تو کیا ہے اس کو
جو ہر اک لمحۂ ہستی کی نہ قیمت جانے

عمر تو ہم نے گناہوں میں بسر کی اخترؔ
حال عقبیٰ کا اب اللہ کی رحمت جانے

☆☆

☆

نا آشنائے درد بھی ہے آشنا بھی ہے
وہ پیکرِ وفا ہے مگر بے وفا بھی ہے

دھوکا نہ کھاؤ سادگیٔ حُسن دیکھ کر
اس کی ہر اِک ادا میں جفا بھی وفا بھی ہے

راس آئے تو کرم ہے نہ راس آئے تو ستم
کہتے ہیں جس کو عشق جزا بھی سزا بھی ہے

ایسا نہیں کہ اس کا پتہ ہی نہ چل سکے
یہ تو بتاؤ دل سے کوئی ڈھونڈتا بھی ہے

مانگوں میں دردِ دل کی دوا کس سے اے خدا
تیرے سوا جہاں میں کوئی دوسرا بھی ہے

ڈرتا ہوں اس لیے کہ سراپا گناہ ہوں
لیکن ترے کرم کا مجھے آسرا بھی ہے

اخترؔ ہے کس کی چشمِ عنایت سے فیض یاب
اک رند بادہ نوش بھی ہے پارسا بھی ہے

☆☆

☆

جس کو یہ اہلِ ہوس جور و جفا کہتے ہیں
ہم وفا کیش اسے حسنِ ادا کہتے ہیں

لائقِ داد ہے دیوانوں کی خوش فہمی بھی
اس کے اندازِ تغافل کو ادا کہتے ہیں

جرم ہے جرم وفاؤں کے صلہ کی امید
عشق میں عرضِ تمنا کو خطا کہتے ہیں

پرسشِ حال پہ کیا حال بتاؤں اپنا
آپ تو ذکرِ شبِ غم کو گلہ کہتے ہیں

عضوِ بیمار ہے دل درد سے خالی ہے اگر
اہلِ دل دردِ محبت کو دوا کہتے ہیں

آپ خود اپنے کو جو چاہیں وہ سمجھیں لیکن
یہ بھی تو دیکھیے لوگ آپ کو کیا کہتے ہیں

عیب سے پاک بشر ہو تو بشر ہی کیا ہے
خوب کہتے ہیں جو اخترؔ کو برا کہتے ہیں

☆☆

☆

آنسوؤں کے طوفاں میں بجلیاں دبی رکھنا
سرد سرد آہوں میں گرمیاں دبی رکھنا

کیفیتِ غمِ دل کی ہو عیاں نہ چہرے سے
پردۂ تبسُّم میں تلخیاں دبی رکھنا

کون سننے والا ہے بےحسوں کی دنیا میں
اپنے غم کی سینے میں داستاں دبی رکھنا

کس قدر انوکھا ہے شیوہ اہلِ دنیا کا
میٹھی میٹھی باتوں میں تلخیاں دبی رکھنا

خوب ہے تمھارا بھی یہ کمالِ فن اخترؔ
سادہ سادہ شعروں میں شوخیاں دبی رکھنا

☆☆

☆

آلودۂ غبار ہے آئینۂ حیات
اے گردشِ زمانہ کوئی تازہ واردات

ذرّوں پہ خندہ زن ہو نہ خورشید کائنات
ہے اس کو کب ثبات جو ان کو نہیں ثبات

پی جاؤ اس کو گھول کے جامِ شراب میں
حد سے گزر گئی ہو اگر تلخیِ حیات

گھبرا کے مر تو جائیں غمِ زندگی سے ہم
مر کر بھی زندگی سے نہ پائیں اگر نجات

انساں کے دل کا حال بھی کتنا عجیب ہے
مانے تو ایک بات نہ مانے تو لاکھ بات

رنگتے ہیں لوگ اس کو فسانہ کے رنگ میں
لاتا ہے کون لب پہ محبت کے واقعات

اخترؔ زباں سے بھی نہ کرو اس سے عرضِ حال
چہرے سے جو سمجھ نہ سکے دل کی کیفیات

☆☆

ایک خاص پس منظر میں

☆

صاحبِ قدرت و اربابِ قضا ہو تم لوگ
یعنی انسان کے پردے میں خدا ہو تم لوگ

ہم ہیں اک ایسی خطا جس کو نہ بخشا جائے
جھیل پائیں نہ جسے ہم وہ سزا ہو تم لوگ

میرے کردار میں مضمر ہے تمہارا کردار
دیکھ کر کیوں مری تصویر خفا ہو تم لوگ

کیوں زمانے کو مسیحائی کا دیتے ہو فریب
درد جو اور بڑھادے وہ دوا ہو تم لوگ

مجھ کو اک ٹوٹا ہوا شیشہ سمجھنے والو
اسی ٹوٹے ہوئے شیشے کی صدا ہو تم لوگ

اس طرح اخترؔ برباد پہ ہنسنے والو
جیسے کچھ اور بھی انساں کے سوا ہو تم لوگ

☆☆

☆

نہ تو راحتوں کی خوشی مجھے نہ اذیّتوں کا ملال ہے
جو ترے خیال میں محو ہے اسے کب کسی کا خیال ہے

میں کھڑا ہوں مہرِ بلب اِدھر وہ اُدھر ہیں پیکر خامشی
وہ مقامِ عشق ہے یہ، جہاں نہ جواب ہے نہ سوال ہے

میں رضائے ساقی پہ ہوں فدا مجھے کیا حرام و حلال سے
وہ نہ دے تو بادہ حرام ہے وہ عطا کرے تو حلال ہے

یہ شکستہ دل کو بھی جوڑ دے وہ شگفتہ دل کو بھی توڑ دے
یہ مری نظر کا کمال ہے وہ تری نظر کا کمال ہے

میں فدا ہوں تیری جفا پہ بھی تجھے شک ہے میری وفا پہ بھی
نہ مری وفا کا جواب ہے نہ تری جفا کی مثال ہے

مجھے اُلجھنوں میں نہ ڈال دو مری بات ہنس کے نہ ٹال دو
تمھیں مشق ناز کا شوق ہے، مری زندگی کا سوال ہے

مری شاعری کا یہ بانکپن، یہ جمال شعر و کمال فن
سب انھیں کا فیض کمال ہے سب انھیں کا عکس جمال ہے

☆☆

☆

دل ہی رہِ طلب میں نہ کھونا پڑا مجھے
ہاتھ اپنی زندگی سے بھی دھونا پڑا مجھے

اک دن میں ہنس پڑا تھا کسی کے خیال میں
تا عمر اتنی بات پہ رونا پڑا مجھے

اک بار ان کو پانے کی دل میں تھی آرزو
سو بار اپنے آپ کو کھونا پڑا مجھے

برباد ہوگیا ہوں مگر مطمئن ہے دل
شرمندۂ کرم تو نہ ہونا پڑا مجھے

دیکھی گئی نہ مجھ سے جو طوفاں کی بے بسی
کشتی کو اپنی آپ ڈبونا پڑا مجھے

جلوے کہاں کسی کے، بساطِ نظر کہاں
ذرّے میں آفتاب سمونا پڑا مجھے

اخترؔ جنونِ عشق کے ماروں کو دیکھ کر
اہلِ خرد ہنسے ہیں تو رونا پڑا مجھے

☆☆

☆

میں گلہ اگر کروں گا اسے ناروا کہو گے
جو ستم سے مر گیا تو مجھے بے وفا کہو گے

مجھے تم سے ہے جو نسبت اسے اور کیا کہو گے
کرم آشنا نہیں تو ستم آ شنا کہو گے

مرے دل کی اُلجھنوں کو مری چشمِ نم سے پوچھو
میں زباں سے کچھ کہوں گا تو اُسے گلہ کہو گے

یہ نہ جانے کون گذرا ابھی جادۂ نظر سے
وہ عجیب نقش پا ہے کہ تم آئینہ کہو گے

میں تو پوجتا ہوں ناصح کسی بُت کو بُت سمجھ کر
تمہیں سابقہ پڑے گا تو اسے خدا کہو گے

میں بتا ہی دوں نہ اخترؔ تمہیں رازِ نیک نامی
وہ برا نہیں کہے گا جسے تم بھلا کہو گے

☆☆

☆

پیرِ مئے خانہ ہو جب ساقیٔ پُر فن کی طرح
رند پھر اُلجھیں نہ کیوں شیخ و برہمن کی طرح

کیا سنواریں گے یہ فنکار زمانے کا چلن
ان کا کردار بھی سنورے نہ اگر فن کی طرح

ہیں ترے دل کی طرح داغ مرے دامن پر
دل مگر صاف ہے ناصح ترے دامن کی طرح

ریگ زاروں کی طرح خشک پڑی ہیں اب تو
ہاں برستی تھیں یہ آنکھیں کبھی ساون کی طرح

کیا کہوں کتنا ہے غم اپنے نشیمن کا مجھے
خود بکھر جاؤں نہ میں خاکِ نشیمن کی طرح

کون گُل پیرہن آیا ہے بتاؤ لوگو
شہر کا شہر مہک اٹھا ہے گُلشن کی طرح

میری نظروں میں تو کوئی نہیں دشمن اختؔر
لوگ کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے دشمن کی طرح

☆☆

☆

پستیاں اپنا مقدر ہیں تو ہمت ہے بلند
زندگی میری ہے صحرا کے بگولوں کی طرح

ہم کبھی ابھرے تھے خورشیدِ حقیقت بن کر
اب وجود اپنا ہے موہوم ہیولوں کی طرح

اے چمن والو ہمیں سے ہے چمن کی زینت
کاٹ کر پھینک نہ دو ہم کو ببولوں کی طرح

کیا سکوں بخشیں گے بے چارے شبِ غم مجھ کو
یہ ستارے ہیں مرے دل کے پھپھولوں کی طرح

☆☆

☆

کون رہتا ہے مکانوں میں مکینوں کی طرح
آدمی شہر میں چلتے ہیں مشینوں کی طرح

اشک وہ ہے جو رہے آنکھ میں گوہر بن کر
اور ٹوٹے تو بکھر جائے نگینوں کی طرح

دوستو موڑ دو یہ وقت کا دھارا ورنہ
غرق ہو جاؤ گے اک روز سفینوں کی طرح

زندگی کیسے بسر ہوگی ہماری اخترؔ
اب تو لمحے بھی گذرتے ہیں مہینوں کی طرح

☆☆

☆

رنگِ جدید روئے غزل سے عیاں رہے
لیکن غزل کی روح غزل میں نہاں رہے

دیتا رہا فریب ہمیں ذہنِ نا رسا
اک عمر اپنے آپ سے ہم بدگماں رہے

ویرانے خندہ زن ہیں تو ہنستی ہیں بستیاں
اب خانماں خراب محبت کہاں رہے

صحرا میں تھے بگولے تو محفل میں دودِ شمع
ہر طرح سر بلند رہے ہم جہاں رہے

برسوں دھواں اٹھا دلِ خانہ خراب سے
اک لمحہ زندگی میں اگر شادماں رہے

اخترؔ مری نواؤں کو سمجھا نہیں کوئی
ہر چند اہلِ بزم مرے ہم زباں رہے

☆☆

☆

حُسنِ اخلاق کا حق آپ ادا تو کرتے
نہ وفا کرتے مگر عہدِ وفا تو کرتے

میرا مقصود فقط آپ سے اِک نسبت ہے
آپ کرتے نہ کرم مجھ پہ جفا تو کرتے

عرضِ غم پر مری دے دیتے سزا ہی مجھ کو
کچھ عطا کرتے مجھے آپ عطا تو کرتے

آ پ سے میرے تعلق کا بھرم رہ جاتا
راستے ہی میں سہی آپ ملا تو کرتے

چاہیے کیا مجھے اپنے لیے اخترؔ لیکن
کچھ نہ کرتے مرے احباب دعا تو کرتے

☆☆

☆

حُسن معصوم جو سادہ ہے تو پرکار بھی ہے
دل سے بیزار بھی ہے دل کا طلب گار بھی ہے

کیا کروں یاد کو تیری کہ شبِ فرقت میں
وجہِ تسکین بھی ہے باعثِ آزار بھی ہے

میری دیوانگیٔ شوق پہ ہنسنے والو
کیا کوئی جلوہ گہہِ ناز میں ہُشیار بھی ہے

ہائے اس چشمِ فسوں ساز کا عالم اے دوست
راحتِ دیدہ و دل بھی ہے دل آزار بھی ہے

کیا کہیں اخترِؔ برباد کا عالم کہ اسے
فکر دنیا بھی ہے اور عشق کا آزار بھی ہے

☆☆

☆

مائلِ لطف ہے آمادۂ بیداد بھی ہے
وہ سراپائے محبت ستم ایجاد بھی ہے

شبِ تنہائی بھی ہے ساتھ تری یاد بھی ہے
دل کا کیا حال کہوں شاد بھی ناشاد بھی ہے

دولتِ غم سے ہر اک گوشہ ہے اس کا معمور
دل کی دنیا مری آباد بھی برباد بھی ہے

بے سبب تو نہیں احساس خلش کا مجھ کو
بھولنے والے ترے دل میں مری یاد بھی ہے

کیوں نہ آساں ہو رہِ عشق کہ میرے ہمراہ
جذبۂ قیسؔ بھی ہے ہمّتِ فرہادؔ بھی ہے

جل گیا اپنا نشیمن مگر افسوس یہ ہے
پھونکنے والوں میں اک برق چمن زاد بھی ہے

میرا وجدان محرک ہے مرے نغموں کا
طبعِ موزوں مری پابند بھی آزاد بھی ہے

کیا بتاؤں میں تمھیں کیا ہے نوائے اخترؔ
نغمے کا نغمہ ہے فریاد کی فریاد بھی ہے

☆☆

☆

ستم بھی جانگسل اس کا کرم بھی جانگسل اُس کا
وہ حُسنِ سادہ میری جاں کا دشمن یوں بھی ہے یوں بھی

ترا نورِ تصور ہو کہ داغوں کی درخشانی
ہمارا دل تجلی گاہِ ایمن یوں بھی ہے یوں بھی

نقاب اٹھی تو اہلِ دید کے تارِ نظر چھائے
تمہارے چہرۂ زیبا پہ چلمن یوں بھی ہے یوں بھی

وہ رعبِ حُسن ہو یا احترامِ روئے جاناں ہو
بہرصورت مری آنکھوں پہ قدغن یوں بھی ہے یوں بھی

یہ آنکھیں اشک برساتی ہوں یا رحمت برستی ہو
ہمارے واسطے ہر فصل ساون یوں بھی ہے یوں بھی

گئے تم بھی تمہاری یادگاریں بھی ہوئیں رخصت
مرا گھر ایک غیر آباد مسکن یوں بھی ہے یوں بھی

یہ شعلے میرے نالوں کے یہ حملے برق سوزاں کے
تباہی کے دہانے پر نشیمن یوں بھی ہے یوں بھی

☆☆

☆

اب چمن بھی نہیں جائے امن وسکوں، اس میں صیّاد ہیں باغباں کی طرح
طائرو پاؤں رکھنا سمجھ بوجھ کر، سب قفس ہیں یہاں آشیاں کی طرح

بجلیاں ہیں یہ سب خانہ زادِ چمن، باغباں نے بنائے ہیں دار و رسن
کیا کروں شکوۂ جورِ چرخِ کہن، جب زمیں ہوگئی آسماں کی طرح

کون ہے جو مری بات سمجھے یہاں، اس میں کوئی نہیں ہے مرا ہم زباں
آپ کی بزم میں آ کے بیٹھا تو ہوں، آج میں بھی کسی بے زباں کی طرح

کیا خبر تھی کہ ہے اس قدر دل نشیں، خانۂ دل میں ہوجائے گی جاگزیں
میرے دل میں تو آئی تھی پہلے پہل، آپ کی آرزو میہماں کی طرح

ان کو میری محبت کے جذبات کا جب یقیں ہوگیا بد گماں ہوگئے
میں نے جب تک انھیں دل سے چاہا نہ تھا مجھ سے ملتے رہے مہرباں کی طرح

اخترؔ مُسلمی کا نرالا ہے فن، ہے جدا گانہ اندازِ شعر و سُخن
اس کی باتیں حقیقت سے معمور ہیں، طرزِ گفتار ہے داستاں کی طرح

☆☆

☆

لالہ وگُل سے پوچھیے سرو وسمن سے پوچھیے
میری چمن نوازیاں حُسنِ چمن سے پوچھیے

کرگئیں سرخرو اسے کس کے لہو کی سُرخیاں
یاد نہ ہو جو آپ کو خاکِ وطن سے پوچھیے

میری نوائے حرّیت گونجی اسی فضا میں تھی
کوہ و دمن سے پوچھیے گنگ وجمن سے پوچھیے

☆☆

☆

ایک وہ دن تھا کہ میری ہم نشینی پر تھا ناز
ایک یہ دن ہے مرے سائے سے کتراتے ہیں لوگ

پہلے تو سب حوصلہ افزائیاں کرتے رہے
بڑھ گئی دیوانگی حد سے تو سمجھاتے ہیں لوگ

اپنے اعمالِ زبوں کا ڈھونڈ لیتے ہیں جواز
غیر کی کوتاہیوں پر وعظ فرماتے ہیں لوگ

☆☆

☆

حکمِ سزا ملے کہ نویدِ جزا ملے
کچھ تو مری وفاؤں کا آخر صلہ ملے

ہاں آپ مجھ پہ شوق سے مشقِ ستم کریں
یہ کیا ضرور ہے کہ مری کچھ خطا ملے

دیکھیں گے تیری سمت بھی ہم اے غمِ حبیب
آلامِ روزگار سے فرصت ذرا ملے

کانٹے کہیں تو سنگ ملامت ملے کہیں
راہِ طلب میں ہم کو کوئی آشنا ملے

وہ گردشِ فلک ہو کہ ہو گردشِ نگاہ
ہم کیا کہیں کہ ہم کو سبھی کج ادا ملے

دیکھا اتر کے دل میں تو سب بے ضمیر تھے
چہرے لگائے یوں تو بہت پارسا ملے

آہی گئے ہو شہرِ سُخن میں جو دوستو
ملتے چلو جو اخترؔ رنگیں نوا ملے

☆☆

☆

ظلمتِ شب سے نمودار سویرا ہوگا
دور دنیا سے بہر حال اندھیرا ہوگا

پھر بہار آئے گی پھر غنچہ و گُل مہکیں گے
پھر درختوں پہ پرندوں کا بسیرا ہوگا

چند لمحوں کی مسرّت پہ نہ اِترا اے دوست
وقت ہے وقت یہ میرا ہے نہ تیرا ہوگا

جب ہر اِک شمع تمناؤں کی بجھ جائے گی
تب کہیں جا کے شبِ غم کا سویرا ہوگا

ماہ پاروں سے کرے لاکھ محبت کوئی
دِل کی دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا

کیسے راس آئے گی اس دل کو مسرّت کی فضا
جس کو اخترؔ غم و آلام نے گھیرا ہوگا

☆☆

☆

دل جو رکھ نہیں سکتے دل جلا تو سکتے ہیں
آپ میری حالت پر مسکرا تو سکتے ہیں

بدگماں رقیبوں سے آپ ہوں نہ ہوں لیکن
ایک بار آپ ان کو آزما تو سکتے ہیں

ہم جنوں کے ماروں کی بات ہی نرالی ہے
سر جھکا نہیں سکتے سر کٹا تو سکتے ہیں

گر نہ روک سکتے ہوں ظلم کرنے والے کو
دیکھ کر یہ منظر ہم تلملا تو سکتے ہیں

☆☆

☆

زخم صدموں نے لگائے مرے دل پر کتنے
ایک[1] شیشے پہ برستے رہے پتھر کتنے

دیکھنے والے مری خندہ لبی یہ بھی تو دیکھ
زخم رِستے ہیں مرے سینے کے اندر کتنے

کوئی شئے یوں تو دھڑکتی ہے ہر اک سینے میں
دیکھنا یہ ہے کہ دل کتنے ہیں پتھر کتنے

[1] مصرعہ طرح

میں نے اپنوں کی نگاہوں میں بھی دیکھے ہیں نہاں
آبلے دل کے تجھے چاہئیں نشتر کتنے

پھول برسائے ہیں مجھ پر مرے یاروں نے مگر
ڈھیر میں پھولوں کے پائے گئے پتھر کتنے

ایک بھی ہو نہ سکا تیرے سراپا کا جواب
یوں تو ڈالے مری تخئیل نے پیکر کتنے

☆☆

☆

اہلِ وفا جزا و سزا دیکھتے نہیں
ملتا ہے کیا وفا کا صلہ دیکھتے نہیں

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ہے کس کا کتنا ظرف
اہلِ نظر عبا و قبا دیکھتے نہیں

ہم جاں نثار کرتے ہیں ہر ایک کے لیے
دیتا ہے کون دادِ وفا دیکھتے نہیں

ہو مجھ گناہگار پہ بھی اک نگاہِ لطف
اہلِ کرم کسی کی خطا دیکھتے نہیں

مسرور کن ہے دل کے لیے ہر عطائے دوست
ہم اہلِ دل وفا و جفا دیکھتے نہیں

چہرے کی ہر شکن میں ہے تحریر شرحِ غم
کیا پوچھتے ہو حال مرا دیکھتے نہیں

مقصود زندگی ہے فقط سجدۂ نیاز
کیا ان کے در سے ہم کو ملا دیکھتے نہیں

وہ آئے، آرہے ہیں، وہ آتے ہیں، آگئے
ہم عالمِ خیال میں کیا دیکھتے نہیں

اخترؔ چلے ہو لے کے یہ شمعِ ہُنر کہاں
بدلا ہوا ہے رنگِ ہوا دیکھتے نہیں

☆☆

☆

سینے میں جو آگ لگی ہے اور اسے بڑھ جانے دو
خرمنِ ہستی جلتا ہے تو کیا پروا جل جانے دو

ناصح کو بکنے دو یارو واعظ کو فرمانے دو
عشق کی باتیں یہ کیا سمجھیں ان کو یوں ہی سمجھانے دو

عشق کا مارا غم کا ستایا کالے کوسوں آیا ہوں
اِن زلفوں کے سائے میں کچھ دیر مجھے سُستانے دو

بخش دے سارا مے خانہ ان بادہ پرستوں کو ساقی
میرے لیے تو کافی ہیں یہ آنکھوں کے پیمانے ''دو''

دل میرا داغوں سے بھرا ہے ان کا دامن پھولوں سے
فیضِ بہاراں اللہ اللہ عنواں ایک افسانے ''دو''

دل سے دل کا مل جانا بھی کوئی مشکل بات نہیں
اس آہو فطرت کو ذرا مانوس نظر ہوجانے دو

تنہائی میں دل سے اختر باتیں کچھ یوں ہوتی ہیں
جیسے الٹی سیدھی باتیں کرتے ہوں دیوانے ''دو''

☆☆

☆

بادۂ شادمانی سے مر جائے جو دوست اسے زہرِ غم کی ضرورت نہیں
میں کرم ہی سے برباد ہوجاؤں گا مجھ پہ جور و ستم کی ضرورت نہیں

میکشو تم ہو دلدادۂ میکشی بادہ و جام تم کو مبارک رہیں
چشمِ ساقی سلامت رہے تو مجھے جام کیا جامِ جم کی ضرورت نہیں

ناصحو ایسی باتوں سے کیا فائدہ ہم نے مانا جفا کار و ظالم ہے وہ
ہم تو اس کے ستم پر ہیں دل سے فدا دوسروں کے کرم کی ضرورت نہیں

تم تو گم کردۂ راہ ہو رہبرو رہبری کا تمہاری بھروسہ ہی کیا
خود نئی راہ منزل نکالوں گا میں مجھ کو نقشِ قدم کی ضرورت نہیں

توڑ ڈالو یہ زندان جور و جفا دوستو عزم و ہمت کو آواز دو
دست و بازو کی قوت سے اب کام لو نالۂ صبح دم کی ضرورت نہیں

اخترِؔ مسلمی سادہ دل ہے بہت زیرِ دام آ گیا اب کہاں جائے گا
اپنی زلفوں کو اتنی نہ تکلیف دو اس قدر پیچ و خم کی ضرورت نہیں

☆☆

☆

شکوہ اس کا تو نہیں ہے جو کرم چھوڑ دیا
ہے ستم یہ کہ ستم گر نے ستم چھوڑ دیا

لے گیا چھین کوئی سب سر و سامانِ حیات
ہاں مگر ایک سلگتا ہوا غم چھوڑ دیا

لگ گئی ان کو بھی شاید ترے کوچے کی ہوا
میکدہ رِند نے زاہد نے حرم چھوڑ دیا

ہائے اس رہ روِ برباد کی منزل اے دوست
جس نے گھبرا کے ترا نقشِ قدم چھوڑ دیا

☆☆

☆

خوشی میں بھی خوشی حاصل نہیں ہے
تمہارا غم اگر شامل نہیں ہے

نہ ہو دل میں اگر دردِ محبت
تو کوئی اور شے ہے دل نہیں ہے

محبت منزلِ انسانیت ہے
محبت کی کوئی منزل نہیں ہے

سمجھ لے آدمی مرنا جو آساں
تو جینا بھی کوئی مشکل نہیں ہے

جو اُٹھ جاتی ہے سوئے تشنہ کاماں
تری چشمِ کرم غافل نہیں ہے

جو بھر آتا ہے دردِ دیگراں سے
ہمارا دل تمہارا دل نہیں ہے

☆☆

☆

ترے بغیر بھی دل کا قرار باقی ہے
کہ تیری یاد مری غم گُسار باقی ہے

عیاں جبیں سے تو آثارِ برہمی ہیں مگر
ابھی تمہاری نگاہوں میں پیار باقی ہے

فریب خوردہ ہے اتنا کہ میرے دل کو ابھی
تم آچکے ہو مگر انتظار باقی ہے

تم اس طرح مجھے تلقینِ ضبط کرتے ہو
کہ جیسے دل پہ مرا اختیار باقی ہے

زمانہ داغِ جگر بھی مٹا نہ دے اخترؔ
نگاہِ دوست کی اک یادگار باقی ہے

☆☆

☆

کس کو کہتے ہیں جفا کیا ہے وفا یاد نہیں
اے محبت مجھے کچھ تیرے سوا یاد نہیں

دیکھیے ہوتی ہے کس طرح شبِ غم کی سحر
اب تو اے دردِ جگر کوئی دعا یاد نہیں

ہوگئی ختم رہ و رسمِ محبت شاید
میں وفا بھول گیا ان کو جفا یاد نہیں

یوں بھی کر سکتے ہو بربادِ محبت پہ کرم
ہم نے مانا کہ تمہیں عہدِ وفا یاد نہیں

دلِ دیوانہ پہ الزام لگانے والے
جس نے دیوانہ بنایا وہ ادا یاد نہیں

جس سے اخترؔ ہو مرے دردِ محبت کا علاج
کیا مسیحا نفسوں کو وہ دوا یاد نہیں

☆☆

☆

دل کے اندازِ تحمل پہ ادا جھوم اٹھی
دیکھ کر حوصلۂ ضبط جفا جھوم اٹھی

آج بسمل کی اداؤں پہ قضا جھوم اٹھی
وہ تماشائے فنا تھا کہ بقا جھوم اٹھی

لذّتِ درد ملی جرمِ محبت میں اسے
وہ سزا پائی ہے دل نے کہ خطا جھوم اٹھی

اس میں شامل تھی ترے نورِ تصوّر کی جھلک
میرے اشکوں پہ ستاروں کی ضیا جھوم اٹھی

اس ستم پیشہ کا اندازِ ستم کیا کہیے
دیکھ کر رنگ جفاؤں کا وفا جھوم اٹھی

چشمِ میگوں جو اٹھی ہے تو چھلکنے لگے جام
زلفِ شب رنگ جو بکھری تو گھٹا جھوم اٹھی

کون یہ صحنِ گُلستاں میں ہوا مست خرام
شاخِ گُل وجد میں ہے بادِ صبا جھوم اٹھی

عالمِ وجد ہے ماحول پہ طاری اخترؔ
وہ غزل تم نے سنائی کہ فضا جھوم اٹھی

☆☆

☆

خوشی ہی شرط نہیں لُطفِ زندگی کے لیے
متاعِ غم بھی ضروری ہے آدمی کے لیے

میں آپ ننگ ہوں خود اپنی زندگی کے لیے
جو نقدِ جاں نہ لٹا دوں تری خوشی کے لیے

رہِ طلب نہ ہو دشوار آگہی کے لیے
جنونِ شوق بھی لازم ہے رہبری کے لیے

گلوں کو جس نے دیا خوں شگفتگی کے لیے
حرام نکہتِ گل آج ہے اسی کے لیے

اٹھے ہیں اشکوں کے طوفاں کبھی کبھی جن میں
ترس رہی ہیں اب آنکھیں وہی نمی کے لیے

چمن کی تیرہ نصیبی نہ مٹ سکی پھر بھی
جلا چکا ہوں نشیمن بھی روشنی کے لیے

اب اس سے بڑھ کے ستم اور ہم پہ کیا ہوگا
کہ ہم چمن کے لیے ہیں چمن کسی کے لیے

مرے کلام کا شہرہ یوں ہی نہیں اختر
متاعِ عمر لٹا دی ہے شاعری کے لیے

☆☆

☆

درد بن کر کبھی پہلو میں کھٹکتے رہنا
اشک بن کر کبھی آنکھوں سے ٹپکتے رہنا

ق

دل کا عالم ہے کہ آوارۂ منزل کی طرح
اپنے احساس کے صحرا میں بھٹکتے رہنا

گر کھٹکتے ہیں یہ کانٹے تو کھٹکنے دو انھیں
اے گلو کام تمہارا ہے مہکتے رہنا

گر اماں دہر میں نہ پائیں تمہارے جلوے
نور بن کر مری آنکھوں میں چمکتے رہنا

ہوگئے کیوں نہ اسی ابروِ پُرخم کے شہید
دوست توہینِ محبت ہے سسکتے رہنا

آنے والے کی رہیں تا کہ منوّر راہیں
داغِ دل آج کی شب اور چمکتے رہنا

اب تو بس مشغلۂ زیست یہی ہے اخترؔ
پیٹتے رہنا جگر، سر کو پٹکتے رہنا

☆☆

☆

ہم نے مانا کہ ترا سب پہ کرم ہے ساقی
آنکھ کیوں تیرے پرستاروں کی نم ہے ساقی

شکوۂ تشنہ لبی مجھ کو نہیں ہے لیکن
تیرے مے خانے کی رسوائی کا غم ہے ساقی

کیا عجب ہے جو وہ مےَ خانے میں پی کر بہکے
ظرف جس رند نو آموز کا کم ہے ساقی

پی کے بدمست کوئی ہے تو کوئی تشنہ دہن
خوب تیرا بھی یہ اندازِ کرم ہے ساقی

امتحاں لے نہ مری جرأتِ رندانہ کا
چھین لوں بڑھ کے ابھی جام یہ دَم ہے ساقی

تشنہ کامی پہ بھی مستی کا گماں ہوتا ہے
تیرے مے خانے کا اخترؔ سے بھرم ہے ساقی

☆☆

☆

تیرے قربان حُسنِ نقابی
سو حجابوں میں بھی بے حجابی

اس نظر سے جو چھلکے گُلابی
میکشی بھول جائیں شرابی

شامِ غم میں بھی رنگِ سحر ہے
دل کا ہر داغ ہے آفتابی

وہ ستم ہو کہ حُسنِ کرم ہو
ہے بہر حال خانہ خرابی

بازئ عشق ہے اس میں اختؔر
کامیابی ہے نا کامیابی

☆☆

☆

غم کی خلش بھی رہتی ہے شاید خوشی کے ساتھ
آنکھوں سے اشک بہتے ہیں اکثر ہنسی کے ساتھ

ظاہر ہے التفاتِ نظر بے رُخی کے ساتھ
لہجے میں ان کے پیار بھی ہے برہمی کے ساتھ

یہ بارگاہِ حُسن ہے اے چشمِ شوق دیکھ
لازم ہے احترام بھی وارفتگی کے ساتھ

آیا کبھی نہ رازِ محبت زبان تک
اتنا ہے مجھ کو ہوش بھی دیوانگی کے ساتھ

غنچے جو ہیں اداس تو بے رنگ پھول ہیں
رخصت ہوئی بہار بھی شاید کسی کے ساتھ

طے ہوتے مرحلے نہ کبھی راہِ شوق کے
دیوانگی نہ ہوتی اگر آگہی کے ساتھ

ہر گام رہزنوں سے پڑا سابقہ مجھے
جب راستہ چلا ہوں کبھی راستی کے ساتھ

اخترؔ کہوں نہ شعر تو گُھٹ جائے دَم مرا
وابستہ زندگی ہے مری شاعری کے ساتھ

☆☆

☆

اعجاز نگاہوں کا دکھا کیوں نہیں دیتے
ہم عشق کے ماروں کو جلا کیوں نہیں دیتے

یہ رسم مے و جام اٹھا کیوں نہیں دیتے
اِن مست نگاہوں سے پِلا کیوں نہیں دیتے

تھا ہوش میں جب برقِ ادا تم نے گرائی
بے ہوش ہوں دامن کی ہوا کیوں نہیں دیتے

ہم چھو بھی لیں زلفوں کو تو ہوں موردِ الزام
گستاخ ہواؤں کو سزا کیوں نہیں دیتے

ہنستے ہیں بہت اہلِ خرد اہلِ جنوں پر
پردہ رخِ زیبا سے اُٹھا کیوں نہیں دیتے

منصب ہے یہ ہم خاک نشینوں کی بدولت
یہ تخت نشیں ہم کو دعا کیوں نہیں دیتے

☆☆

☆

میں نے سمجھا نہ تھا اے محبت یوں ترا ناز اٹھانا پڑے گا
غم کو راحت سمجھنا پڑے گا درد میں مسکرانا پڑے گا

دل کے نازک سفینے کو اپنے بحرِ غم میں چلانا پڑے گا
کیا خبر تھی چراغِ محبت آندھیوں میں جلانا پڑے گا

آج ساقی کی نادانیوں کو میکشو بھول جانا پڑے گا
ہے جو رکھنا بھرم میکدے کا بے پیئے ڈگمگانا پڑے گا

منزلِ شوق کی جستجو میں سامنا اتنی دشواریوں کا
اے جنوں اب توسنگِ خرد کو راستے سے ہٹانا پڑے گا

کیا کروں شکوہ اختؔر ستم کا میں تغافل سے مایوس کیوں ہوں
جذبِ دل ہے سلامت جو میرا ایک دن ان کو آنا پڑے گا

☆☆

☆

لطف ہی کیا حیات کا گر نہ ہو غم کا سلسلہ
ختم نہ ہو خدا کرے رنج و الم کا سلسلہ

کس کو کہوں کہ دونوں ہی میرے لیے ہیں جانگسل
ہو وہ کرم کا سلسلہ یا ہو ستم کا سلسلہ

بزم میں اک مرے سوا سب پہ ہے لطف کی نظر
جور و ستم سے ہے دراز تیرے کرم کا سلسلہ

شامِ وصال جا ملی سرحدِ صبحِ ہجر سے
اتنا دراز ہوگیا قول و قسم کا سلسلہ

میرے لیے تو سہل تر ہوگئی حق کی معرفت
زینۂ معرفت بنا عشقِ صنم کا سلسلہ

حال پہ تیرے وہ کبھی ہوگا ضرور مہرباں
ٹوٹے نہ اخترؔ حزیں گریۂ غم کا سلسلہ

☆☆

☆

دل پہ کیا گذری نہ جانے پردہ اٹھ جانے کے بعد
ہو گیا میں آپ ہی گُم ان کو پا جانے کے بعد

ایک ہی انجام ہے اے دوست حسن و عشق کا
شمع بھی بجھتی ہے پروانوں کے جل جانے کے بعد

جیتے جی اخترؔ کوئی صورت نظر آتی نہیں
حسرتیں نکلیں گی دل سے دَم نکل جانے کے بعد

☆☆

☆

دل کچھ اتنا ہے مرا خوگرِ بیداد کہ بس
ہے کوئی اور ستم اے ستم ایجاد کہ بس

سن کے رودادِ الم میری وہ ہنس کر بولے
اور بھی کوئی فسانہ ہے تمہیں یاد کہ بس

ہوگئے خانہ بدر حسرت و ارماں اخترؔ
خانۂ دل میں ہوا یوں کوئی آباد کہ بس

☆☆

☆

ہم ان کی التفاتِ نظر کو ترس گئے
یعنی بہار زخمِ جگر کو ترس گئے

رہتا تھا روبرو کبھی اپنے اک آفتاب
آئی وہ شامِ غم کہ سحر کو ترس گئے

اک دن وہ تھا کہ دردِ جگر تھا وبالِ جاں
اک دن یہ ہے کہ دردِ جگر کو ترس گئے

ہوگا وہ کوئی جس پہ ہیں ان کی نوازشیں
ہم تو اک التفاتِ نظر کو ترس گئے

ہے اُس کے در کی بات الگ ورنہ دوستو
لاکھ آستاں ہیں جو مرے سر کو ترس گئے

چونکے جو ہم تو جائزۂ دو جہاں لیا
غافل ہوئے تو اپنی خبر کو ترس گئے

اخترؔ سجی ہے گوہرِ فن سے مری غزل
کہنا نہ اب کہ اہلِ ہُنر کو ترس گئے

☆☆

قطعات

☆

دل رمز آشنائے آگہی ہوں
نگاہِ مرتبہ دانِ خودی ہوں

مجھے سارا جہاں پہچانتا ہے
میں اپنے شہر ہی میں اجنبی ہوں

☆

میں سرمستِ شرابِ سرمدی ہوں
میں آگاہِ رموز بے خودی ہوں

مری دیوانگی پر ہنسنے والو
میں غافل ہی نہیں ہشیار بھی ہوں

☆

امانت[۱] دار زہدِ عیسوی ہوں
میں تصویرِ جلالِ موسوی ہوں

زمانہ جیسے چاہے آزما لے
میں شاخِ گُل بھی ہوں تلوار بھی ہوں

☆

گدازِ غم ہوں سوزِ عاشقی ہوں
امینِ راز ہائے شاعری ہوں

کروں کیا جاہ و ثروت کی تمنّا
یہ کیا کم ہے کہ اختؔر مسلمی ہوں

☆☆

[۱] ایطا ہے مگر میں روا سمجھتا ہوں۔

قطعات

☆

یہ شامِ غم کے سہارے بھی ڈوب جاتے ہیں
فلک پہ چاند ستارے بھی ڈوب جاتے ہیں

پہنچ کے خاک کنارے پہ مطمئن ہو کوئی
کبھی کبھی تو کنارے بھی ڈوب جاتے ہیں

☆

تصوّرات کی شمعیں بھی سرد ہوتی ہیں
تخیّلات کے تارے بھی ڈوب جاتے ہیں

شبِ فراق کی وہ ظلمتیں معاذ اللہ
جب آنسوؤں کے ستارے بھی ڈوب جاتے ہیں

جنونِ عشق کے ماروں کی بات ہی کیا ہے
کہ عقل و ہوش کے مارے بھی ڈوب جاتے ہیں

حسین آنکھوں کی مستی میں ایک میں ہی نہیں
یہ اِتقا کے منارے بھی ڈوب جاتے ہیں

☆☆

قطعات

☆

تیرگی کو روشنی کہتے رہیں
دشمنی کو دوستی کہتے رہیں
تا بکے اے دوست خاطر سے تری
موت کو ہم زندگی کہتے رہیں

☆

بیتاب محبت کو قرار آئے تو جانیں
بربادیٔ دِل پر اُنھیں پیار آئے تو جانیں
آباد تھا تو جب تو خزاں میں بھی کھلے گُل
اب اے دِلِ ویراں جو بہار آئے تو جانیں

☆

قطعات

☆

ذہنوں کے یہ خود ساختہ اصنام بدل دو
ایقان سے اندیشۂ اوہام بدل دو

اے گردشِ ایام کے مارے ہوئے لوگو
چاہو تو رُخِ گردشِ ایام بدل دو

☆

کوئی دل بجھا کے چلا گیا کوئی دل جلا کے چلا گیا
کوئی میرے حال پہ رو پڑا کوئی مُسکرا کے چلا گیا

جسے میرے پیار پہ ناز تھا مجھے جس کا پیار عزیز تھا
جو قرارِ جاں تھا مرے لیے وہ نظر بچا کے چلا گیا

☆

قطعات

☆

روتے کٹی ہے عمر ہنسی کی تلاش میں
غم جھیلتا رہا ہوں خوشی کی تلاش میں

پوچھو نہ دوستو مری ناکامیوں کا حال
گم ہوگیا ہوں آپ کسی کی تلاش میں

☆

شکوۂ بے رخی بھول جانا پڑا
دردِ دل میں لیے مُسکرانا پڑا

لاج رکھنی پڑی ان کے میخانہ کی
بے پیے ہی مجھے ڈگمگانا پڑا

☆

قطعات

☆

میں ہوں بذاتِ خود اگر تنگِ جہاں تو کیا ہوا
مرا کلام دل نشیں زیب ہر انجمن تو ہے

اخترؔ مُسلمی کے پاس ثروت و جاہ اگر نہیں
وائے نصیب دشمناں گنجِ متاعِ فن تو ہے

☆

حُسن پر آنچ آنے نہ دیں گے
عشق کی شان جانے نہ دیں گے

خاک ہو جائے دل سوزِ غم سے
اشک آنکھوں میں آنے نہ دیں گے

☆

متفرقات

☆

تم اس کو سکون بخشو تو ہو بات بھی کوئی
دل کو تو بہر حال قرار آ کے رہے گا

☆

رات بھر تو تری راہ دیکھا کیا
صبح ہوتے ہی بیمارِ غم سو گیا

☆

دبی چنگاریاں بھی آج آ پہنچیں نشیمن تک
ابھی کل تک تو کتراتی رہی ہیں بجلیاں ہم سے

☆

مشکل ہے مرے دل سے نکل جائے تری یاد
ہاں لب پہ کبھی اب ترا نام آئے تو کہنا

☆

متفرقات

☆

قدرت کے باوجود جو ہے معصیت سے دور
سچ پوچھیے تو صاحبِ کردار ہے وہی

اخترؔ کہ جس پہ رشک ہر اک پارسا کو ہے
پہچانتے نہیں یہ گنہہ گار ہے وہی

☆

ہے یوں تو شفا بخش نسیمِ سحری بھی
لیکن ترے دامن کی ہوا اور ہی کچھ ہے

☆

اس کو بھڑکاؤ نہ دامن کی ہوائیں دے کر
شعلۂ عشق مرے دل میں دبا رہنے دو

کیا زمانہ سے ملا غم کے سوا اخترؔ کو
اب وہ گوشے میں پڑا ہے تو پڑا رہنے دو

☆

آنسوؤ تم کچھ اس طرح امنڈ آئے ہو
جیسے اب آگ مرے دل کی بجھا ہی دو گے
☆
اسے بے خودی نہ کہے کوئی یہ کمال ذوقِ سفر کا ہے
میں چلا تھا جس کی تلاش میں وہ مقام آ کے چلا گیا
☆
وقت کی معیّت میں پتھروں کا لشکر ہے
کون ایسی آفت میں آئینہ بنائے گا
☆
حسیں سمجھ کر نہیں دیکھتا میں چاند کی سمت
یہ سوچتا ہوں اسے وہ بھی دیکھتا ہوگا
☆
دی اس نے مجھ کو جرم محبت کی وہ سزا
کچھ بے قصور لوگ سزا مانگنے لگے
☆☆

جام وسنداں

غیر مطبوعہ

☆

غم خانۂ ہستی میں جینے کی دعا مانگے
مجرم ہوں میں ایسا جو آپ اپنی سزا مانگے

محدود ہے دامن ہی مانگے بھی تو کیا مانگے
جو بخش دیا تو نے کیا اس سے سوا مانگے

بیداد زمانے کی دیکھے تو ذرا کوئی
یہ درد کے ماروں سے نغمے کی صدا مانگے

ہستی مری خاکستر کر ڈالی مگر اب بھی
یہ شعلہ محبت کا دامن کی ہوا مانگے

ہاں ہے وہ برا اخترؔ جس کو نہ ہو یاد احساں
اس سے بھی برا ہے جو احساں کا صلہ مانگے

☆☆

☆

اٹھائے ہاتھ میں پتھر تلاش کرتا ہے
میں آئینہ ہوں ستمگر تلاش کرتا ہے

مری خودی نے یہ عظمت مجھے عطا کی ہے
میں تشنہ لب ہوں سمندر تلاش کرتا ہے

مجھی سے بادہ کشی کا وقار قائم ہے
وہ بادہ کش ہوں کہ ساغر تلاش کرتا ہے

کمال ذوق سفر کا یہ معجزہ دیکھو
کہ رہ نورد کو رہبر تلاش کرتا ہے

وہ دن گئے کہ مقدر کی جستجو تھی مجھے
مجھے خود آج مقدر تلاش کرتا ہے

رہینِ منّتِ مرہم تو کیا یہ زخمِ جگر
کسی نگاہ کا نشتر تلاش کرتا ہے

فتورِ عقل پہ اس کی ہنسیں کہ روئیں ہم
وجودِ سر ہی نہیں در تلاش کرتا ہے

رہا نہ دارا کہ دعویٰ تھا ہمسری کا اُسے
کسے جہاں میں سکندر تلاش کرتا ہے

یہ بے خودی یہ سراسیمگی یہ بے تابی
وہ کون ہے جسے اخترؔ تلاش کرتا ہے

☆☆

☆

دریا نظر نہ آئے نہ صحرا دکھائی دے
جوشِ جنوں ہو جس کو اسے کیا دکھائی دے

میں آگیا کہاں کہ یہ حسرت نظر کو ہے
اے کاش اس جگہ کوئی اپنا دکھائی دے

خنداں جبیں لبوں پہ ہنسی پر خلوص دل
دورِ طرب میں کوئی تو ایسا دکھائی دے

خواہاں ہیں وہ کہ سارا زمانہ ہو ان کے ساتھ
اوروں کو چاہتے ہیں کہ تنہا دکھائی دے

اخترؔ کو دیکھتے نہیں اچھی نظر سے آپ
پھر بھی یہ چاہتے ہیں کہ اچھا دکھائی دے

☆☆

☆

تھی تلاش جس کی نہ پوچھیے وہ ملا مجھے کہ ملا نہیں
یہ نہ جانے کیسا مقام ہے مجھے آپ اپنا پتا نہیں

ترا ہجر موت سے کم نہیں، ترا قُرب حاصلِ زندگی
مرے پاس کیا ہے جو تو نہیں، مرے پاس تو ہے تو کیا نہیں

وہ تھے سامنے تو نہ ہوسکی مجھے ان سے جرأتِ گفتگو
جو چلے گئے تو ملال ہے یہ کہا نہیں وہ کہا نہیں

جو فدا ہوں ان کی اداؤں پر تو وہ اس پہ چیں بجبیں ہیں کیوں
یہ قصور ان کی نظر کا ہے مری اس میں کوئی خطا نہیں

مری بات مان لے چارہ گر نہ علاجِ درد کی فکر کر
نہ رہوں گا میں یہ گیا اگر مرا درد مجھ سے جدا نہیں

وہ ہے ایک زاہدِ خود غرض یہ ہے ایک میکشِ بے غرض
بخدا ہماری نگاہ میں وہ بھلا نہیں یہ برا نہیں

ذرا اور پیدا خلوص کر کہ ملے مقامِ عبودیت
ترے دل سے اخترِؔ مُسلمی ابھی نقشِ غیر مٹا نہیں

☆☆

☆

غضب ہے آج وہ کرتے ہیں سنگسار مجھے
پہنا رہے تھے جو کل تک گلوں کے ہار مجھے

جو پستیوں میں گرادے وہ زندگی کیا ہے
مرے خدا تو عطا کر فرازِ دار مجھے

نہ پوچھ مجھ سے کہ میں کتنا سر بلند ہوا
بنایا جب سے محبت نے خاکسار مجھے

ہر اختیار مرا اس کے اختیار میں ہے
دیا ہے یوں تو بہت اس نے اختیار مجھے

ہے کچھ زمیں کا بھی حق مجھ پہ رفعتِ پرواز
بلندیوں سے فلک کی ذرا اتار مجھے

تضاد قول و عمل میں نہ کوئی رہ جائے
مرے خدا مرے فن کی طرح سنوار مجھے

☆☆

☆

مرے واسطے جہاں میں کوئی دل کشی نہیں ہے
کہ ترے بغیر جینا کوئی زندگی نہیں ہے

تری ذات کے علاوہ مجھے اور چاہیے کیا
تو اگر ہے ساتھ میرے مجھے کچھ کمی نہیں ہے

وہ نظر نظر نہیں ہے نہ ہو جس میں عکس تیرا
کوئی دل ہے وہ بھی جس میں غمِ عاشقی نہیں ہے

کوئی واسطہ نہیں ہے جسے دردِ دیگراں سے
وہ ہے آدمی کا پیکر مگر آدمی نہیں ہے

مرے دوستو نہ دیکھو مجھے چشمِ خشمگیں سے
کہ رہینِ بادہ نوشی مری بے خودی نہیں ہے

مرے دل کے داغ تو ہی ذرا اور لَو بڑھا دے
شبِ غم ہے تیرہ تیرہ کہیں روشنی نہیں ہے

مری بات سُن کے اخترؔ سُنی اَن سُنی نہ کردو
یہ حدیث جان و دل ہے نِری شاعری نہیں ہے

☆☆

☆

فن کو نادانوں کی تحسیں نے سنورنے نہ دیا
اس نئے دور کے شاعر کو سُدھرنے نہ دیا

مری تخئیل کی رفعت کو نہ پہنچا کوئی
اور میں نے اسے پستی میں اُترنے نہ دیا

اس نے کی حوصلہ افزائی بھی دل شکنی بھی
شوق کو میرے کبھی حد سے گزرنے نہ دیا

تہ میں دریائے محبت کی نہ جانے کیا ہے
ڈوبنے والے کو پھر جس نے اُبھرنے نہ دیا

اس نے جینے نہ دیا چین سے مجھ کو اخترؔ
میں نے مرنا بھی اگر چاہا تو مرنے نہ دیا

☆☆

☆

حیات رنجِ حسد سے نجات پا جائے
قرار میرے دلِ بے قرار کو آئے

ق
کسی طرح تو جلے گھر مرے پڑوسی کا
بلا سے میرا بھی گھر جل کے خاک ہوجائے

یہ اعتمادِ عبادت بھی خوب ہے زاہد
خدا تو خوش ہے خفا ہیں بلا سے ہمسائے

جو ناسمجھ ہیں انھیں ٹوکنا تو آساں ہے
جنونِ عقل کے ماروں کو کون سمجھائے

بہ مثلِ سنگ، اذیّت رساں ہیں ان کے لیے
بہار اہلِ جنوں پر نہ پھول برسائے

ہیں بے ہُنر بھی کچھ اہلِ ہُنر کے منصب پر
ہم آج آپ کی محفل میں آ کے پچھتائے

خلوص کی وہ خنک دھوپ کیا ہوئی اخترؔ
دہک رہے ہیں فریبِ خلوص کے سائے

☆☆

☆

دنیا مرے حالات سے بیزار الگ ہے
مجھ سے مرے نغموں کی طلب گار الگ ہے

مجھ رند بلا نوش کا معیار الگ ہے
پی کر جو بہک جائے وہ میخوار الگ ہے

کیا دِل کو سکوں آئے گا اقرارِ وفا سے
کب آپ کے اقرار سے انکار الگ ہے

ہے سامنے دیوار کے برپا یہ قیامت
اک حشر پسِ پردۂ دیوار الگ ہے

اِک سمت تو ڈھاتا ہے ستم مجھ پہ زمانہ
دل مجھ سے ادھر برسرِ پیکار الگ ہے

پتھر ہی برستے ہیں ابھی سر پہ ہمارے
اے اہلِ جنوں مرحلۂ دار الگ ہے

کرنے کو بڑی بات تو سب کرتے ہیں اخترؔ
حق بات جو کہتا ہے سرِ دار الگ ہے

☆☆

☆

نہ سمجھ سکی جو دنیا یہ زبانِ بے زبانی
ترا چہرہ خود کہے گا مرے قتل کی کہانی

یہ عذابِ آسمانی یہ عتابِ ناگہانی
ہیں کہاں سمجھنے والے مرے آنسوؤں کو پانی

کہیں لٹ رہا ہے خرمن کہیں جل رہا ہے گلشن
اسے کس نے سونپ دی ہے یہ چمن کی پاسبانی

مری تجھ سے کیا ہے نسبت، مرا تجھ سے واسطہ کیا
تو حریصِ لالہ و گُل میں فدائے باغبانی

تجھے ناز حُسن پر ہے، مجھے ناز عشق پر ہے
ترا حُسن چند روزہ مرا عشق جاودانی

یہ وہ دل رُبا ہے دنیا میرے دوستو کہ جس کی
نہ کوئی ادا نئی ہے نہ کوئی ادا پرانی

کوئی اس سے کہہ دے اخترؔ ذرا ہوش میں وہ آئے
نہ رہے گا زندگی بھر یہ سرورِ شادمانی

☆☆

☆

قاصد نے تو مجھ سے جو کہا اور ہی کچھ ہے
پیغام جو لائی ہے صبا اور ہی کچھ ہے

مانا کہ ہیں پُر کیف شبِ وصل کے لمحے
لیکن شبِ فرقت کا مزا اور ہی کچھ ہے

اقرارِ محبت تو بڑی بات ہے لیکن
انکارِ محبت کی ادا اور ہی کچھ ہے

ہے یوں تو سکوں بخش نسیمِ سحری بھی
لیکن ترے دامن کی ہوا اور ہی کچھ ہے

حاصل نہیں کچھ چارہ گروسعیِ عبث سے
اس دردِ محبت کی دوا اور ہی کچھ ہے

انصاف کے پردے میں یہ کیا ظلم ہے یارو
دیتے ہو سزا اور، خطا اور ہی کچھ ہے

اصنافِ سخن یوں تو سبھی خوب ہیں اختؔر
جو صنفِ غزل میں ہے مزا اور ہی کچھ ہے

☆☆

☆

مصلحت پوش بہت کم سخنی ہوتی ہے
کتنی معیوب دریدہ دہنی ہوتی ہے

ق

کم ہی پایا ہے یہ شیرینی رہی ہو شیریں
بیشتر تلخ ہی شیریں سخنی ہوتی ہے

راحتِ دیدہ و دل اس کی نظر ہے لیکن
سَمِّ قاتل بھی تو ہیرے کی کنی ہوتی ہے

اپنے حصے کی بھی دیدیں گے تمھیں کو ناصح
بادہ نوشوں کی طبیعت وہ غنی ہوتی ہے
۱
فکر ہی کیا تھی یہ احساس جو ہوتا اس کو
صاف انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے
۲
بے نقاب آنے میں کیا عذر ہے تم کو اے دوست
رات کو چادرِ مہتاب تنی ہوتی ہے
۳
غیر کیا اپنے بھی بیگانے نظر آتے ہیں
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے
۴
اس کی زلفوں ہی پہ موقوف نہیں ہے اخترؔ
بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

☆☆

نوٹ: اس غزل کے آخری چار اشعار حفیظ جونپوری مرحوم کے چار مصرعوں پر تظمین ہیں حفیظؔ مرحوم کی روح سے معذرت کے ساتھ۔ اخترؔ مسلمی

☆

رسوا میں ہوں گا اور بھی کچھ اس بیان سے
دکھ ہوگا آپ کو بھی مری داستان سے

یہ حکم ہے کہ دادِ ستم دو ستم کے بعد
پالا پڑا ہے مجھ کو بھی کس امتحان سے

جائیں گے عیدگہ تو پلٹ کر نہ آئیں گے
یہ حوصلہ اگر ہے تو نکلو مکان سے

اپنے کئے کی آپ سزا پارہا ہوں میں
شکوہ[1] زمیں سے ہے نہ گلہ آسمان سے

اخترؔ میں وہ کتاب ہوں سمجھو گے کیا مجھے
غائب ہیں جس کے چند ورق درمیان سے

☆☆

[1] مصرعہ طرح

لختِ جگر جمیلہؔ کی اچانک رخصتی پر
قلم برداشتہ

☆

کیا کہوں ہے مضمحل کتنا دلِ خانہ خراب
سب کے سب بے کیف ہیں کیا چاندنی کیا ماہتاب

یہ مرا گھر، اور میں، اور یہ مری تنہائیاں
بند ہے ہر سمت سے میرے لیے خوشیوں کا باب

جاگتا رہتا ہوں میں جب تک تو گھبراتا ہے دل
نیند آتی ہے تو تیرا دیکھتا رہتا ہوں خواب

اے مری بیٹی جمیلہ اے مری لختِ جگر
اک نہ ہونے سے ترے، دل کو ہے کتنا اضطراب

''اے جمیلہ'' بھول کر آواز دے دیتا ہوں میں
خون ہوجاتا ہے دل جب کچھ نہیں ملتا جواب

دیکھنا تم اپنے شوہر کا سدا رکھنا خیال
تلخ باتیں بھی اگر کہہ دے نہ دینا تم جواب

ہے خدا تیرا نگہباں ہے وہی تیرا معین
ایک دن ہو کر رہے گا ہر ستم کا سدِّ باب

کس قدر تجھ کو مرے دکھ درد کا احساس تھا
کیا بتاؤں باپ کی خاطر کا کتنا پاس تھا

☆☆

اخترؔ مسلمی

مدحِ امام حسینؓ

☆

یہ ایک ہم ہیں کہ شکوہ نہیں جفاؤں سے
وہ ایک تم ہو کہ ہو بدگماں وفاؤں سے

جو لوٹ لیتے ہیں خود راہرو کو منزل پر
خدا بچائے ہمیں ایسے رہنماؤں سے

سفینہ اپنا خدا کے حوالے کرتا ہوں
نہ لگ سکے گا کنارے یہ ناخداؤں سے

سمجھ سکے گا کوئی کیا ہماری عظمت کو
ہم آسماں کو بھی روند آئے اپنے پاؤں سے

جبین عزم پہ آیا نہ بل جفاؤں سے
وفا پرست نہ گھبرائے بے وفاؤں سے

دبا حسین نہ جبروت کے خداؤں سے
چراغِ[1] فاطمہ کھیلا کیا ہواؤں سے

تھی ہیچ دنیا نگاہوں میں دین کے آگے
جب آئی سامنے ٹھکرا دیا ہے پاؤں سے

اثر حسین کے انکار ہی کا ہے لوگو!
کہ تخت آج بھی لرزاں ہے بے نواؤں سے

جو کربلا میں شہیدوں کے لب سے نکلی تھی
وہ آرہی ہے صدا آج بھی فضاؤں سے

نکھر رہی ہے شہیدوں کے خون کی سرخی
لہو کی آتی ہے اب بھی مہک ہواؤں سے

---

[1] مصرعہ طرح

شگفتہ چہرے جبیں خنداں لب تبسّم ریز
ہوئے ہیں یوں بھی جُدا بچّے اپنی ماؤں سے

کبھی یہ سامنے باطل کے سرنگوں نہ ہوئے
خطا ہوئی تھی بس اتنی سی بے خطاؤں سے

یہ مدح آلِ نبی کا کرشمہ ہے اخترؔ
لرز رہا ہے جو باطل مری نواؤں سے

☆☆

مسجد روضۂ علی عاشقانؒ

☆

پیکر عظمت حسنِ مجسّم
دیکھ کے حیراں دیدۂ عالم

اس کے ہر اک گوشہ سے ہویدا
طینتِ عیسیٰ، عفت مریم

گاہ جمال میں ڈھلتا قالب
گاہ جلال کا پیدا عالم

دیکھ رہے ہیں اہلِ بصیرت
دونوں مناظر اس میں مدغم

جیسے فضا میں اس کا منارہ
لہرائے توحید کا پرچم

ہیں متاثر دونوں اس سے
حق متبسّم، باطل برہم

کیسے بیاں ہوں اس کے محاسن
خامہ شکستہ، ناطقہ اَبکم

☆☆

نذرانۂ خلوص حجاجِ کرام

☆

مبارک ہو تجھے طیبہ کا عالم دیکھنے والے
مبارک بارشِ انوارِ پیہم دیکھنے والے

ترے سینے میں ہے اک شمع عرفان و یقیں روشن
حرم میں سجدۂ پیہم سے ہے تیری جبیں روشن

ہوا آئینۂ دل صاف تیرا رنگِ اسود سے
مٹا ہر نقش باطل بوسہ ہائے سنگِ اسود سے

تری آنکھوں میں پنہاں ہیں دیارِ پاک کے جلوے
سمیٹے ہیں ترے دِل نے بہارِ پاک کے جلوے

اب اس سے بڑھ کے کیا ہو کامیابی زندگانی کی
رسولِؐ پاک کے گھر جا کے تو نے میہمانی کی

☆☆

ڈاکٹر ناطق اعظمی، سرائے میر اعظم گڑھ

ایک قصیدہ جو مرثیہ بن گیا

اخترؔ تمہارے بعد

☆

کس کو غزل سنائیں گے اخترؔ تمہارے بعد
پرکھے گا کون شعر کے جوہر تمہارے بعد

جب بھی اصولِ فن سے کرے گا کوئی گریز
ٹوکے گا کون بزم میں اٹھ کر تمہارے بعد

شیرینیٔ زبان و سلاست کے واسطے
اربابِ ذوق ترسیں گے یکسر تمہارے بعد

دوشیزۂ غزل کی سنوارے گا کون زلف
آخر کرے گی ناز یہ کس پر تمہارے بعد

لائے گا کون ڈوب کر الفاظ کے گُہر
ڈھونڈے گا 'بحرِ نطق' شناور تمہارے بعد

تشبیہ دے کے قلب کی دامن کے داغ سے
جھانکے گا کون شیخ کے اندر تمہارے بعد

تخئیل کے حسیں پری زاد و ما ہوش
پائیں گے کیسے لفظوں کے پیکر تمہارے بعد

شعروں کے بت تراش تو آئیں گے بے شمار
شاید نہ پھر اٹھے کوئی آذر تمہارے بعد

دیکھے گا کون حسن کی عشوہ طرازیاں
سمجھے گا کون عشق کے تیور تمہارے بعد

تعمیر کر کے اپنی اُمیدوں کا آشیاں
رکھے گا کون برق کی زد پر تمہارے بعد

ویراں دکھائی دے گی مہ و خور کی شاہراہ
کٹ جائیں گے خیال کے شہپر تمہارے بعد

ڈالیں گے سر پہ خاک بہاروں کے قافلے
ہوں گے اداس سرو و صنوبر تمہارے بعد

دیکھے گا روز راہ بصد شوق و اضطراب
پردہ حریمِ ناز کا اٹھ کر تمہارے بعد

راز و نیاز شوق کی روداد دلپذیر
آئے گی یوں نہ شعروں میں ڈھل کر تمہارے بعد

'خم خانۂ' ادب کا سماں ہوگا سوگوار
کھنکیں گے پھر نہ شیشہ و ساغر تمہارے بعد

موجِ صبؔا کے ساز پر نغمات چھیڑ کر
گھولے گا کون کانوں میں شکر تمہارے بعد

موجود تم ہو اس لیے خاموش ہے ابھی
موجِ نسیؔم کھولے گی دفتر تمہارے بعد

صامت کی کیا مجال ہے ناطقؔ کے سامنے
کوئی سخن طراز ہو کیوں کر تمہارے بعد

☆☆

اصلاحی ترانہ

۲۹؍دسمبر ۱۹۶۹ء کو مادرِ علمی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے مندوبین کی آمد کے موقع پر جناب اشتیاق احمد صاحب راشدؔ کی فرمائش پر یہ ترانہ لکھا گیا اور پڑھا گیا۔ اخترؔ مسلمی

☆

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

رحمتِ ایزدی اس پہ سایہ فگن نورِ شمع یقیں زینتِ انجمن

بوئے ایماں ہے پھیلی چمن در چمن جوئے عرفاں ہے آغوش میں موجزن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

گود میں اس کی پلتے ہیں علم و ہنر ہر طرف ضوفشاں اس کے شمس و قمر

اس کی مٹی سے اُگتے ہیں لعل و گُہر اس کے ذرّے ہیں صد رشک دُرِّ عدن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

خدمتِ خلق ہی اس کی تقدیر ہے اس کے پیشِ نظر دیں کی تشہیر ہے

اور علومِ جدیدہ کی تطہیر ہے اس کا مقصد ہے تجدید علمِ کہن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

اپنے سینوں میں رکھتے ہیں ہم ولولے ہم سے سیکھیں چلن مشرقی منچلے
درسِ تہذیب لیں مغربی حوصلے ہر روش اس کی گہوارۂ علم و فن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

زورِ باطل سے آنکھیں ملاتے ہوئے جان دیں حق پہ ہم مسکراتے ہوئے
کانپ اٹھے سامنے کُفر آتے ہوئے ہم سے لرزہ بر اندام ہو اہر من

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

یہ بہاریں ہیں تعبیر خوابِ شفیعؒ چار سو ضوفگن ماہتابِ شفیعؒ
یوں درخشاں ہوا آفتابِ شفیعؒ شرق سے غرب تک جس کی پھیلی کرن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

کارفرما یہاں روحِ دینِ متیں مرکزِ فکر اس کا کتابِ مبیں
اس کا دستور تقلید جامد نہیں اس میں فکرِ فراہیؒ کا ہر سو چلن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

گوشے گوشے میں اخلاصِ شبلیؒ نہاں شمعِ اقبالؒ جلوہ فگن ہے یہاں
اخترؔ احسنؒ کا ایثار ہر سو عیاں جس نے اس پر فدا کر دیے جان وتن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

وہ رشیدِ فراہیؒ متاعِ گراں جس سے سر سبز و شاداب ہے گلستاں
جس کے ایثار سے ہیں بہاریں جواں اخترِؔ مسلمی بھی ہے تنگِ چمن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

☆☆
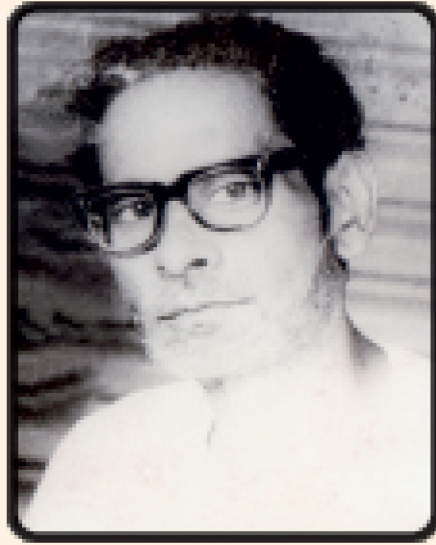
۱۹۲۸-۱۹۸۹

Al-Balagh Publications
N-1, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar
New Delhi-110025 Tel.011-26942592
Email: abpublications@gmail.com